لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا ٭ ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء — زر سالانہ: بیس روپے — فی کاپی: ایک روپیہ

Regd. No. LWNP 56 — Phone: 42948, 43747

TAMEER-E-HAYAT
FORTNIGHTLY

Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

مشرق کے ۲ بہترین روح پرور عطریات جو اپنی بھینی بھینی خوشبو کے لئے مشہور ہیں

عطر مجموعہ ۹۶ رجسٹرڈ

ATTAR MAJMUA 96

عطر نسیم

ATTAR NASEEM

رجسٹرڈ

حامی اینڈ کمپنی پرفیومرس جامع مسجد بمبئی ۲

HAMI & CO. Perfumers
Juma Masjid, BOMBAY-2 (INDIA)

PREMIER ADVERTISERS

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co
WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS

44, Haji Building, S. V. Patel Road, Null Bazar, BOMBAY. 3.
Tele: Add. CUPKETTLE
Phone Shop: 862220 Resi: 378054

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس۔ وی۔ پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

اسپیشل مکسچر
اسپیشل ممری
ہوٹل مکسچر
سوداگر مکسچر
کپ برانڈ
گولڈن ڈسٹ
فلاور بی، او، پی
سوپر ڈسٹ

بمبئی میں

خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیشکش

ڈرائی فروٹ برفی

بکنگ • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خرید کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
400003

برانچ — ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

بہار توپ بی ٹانک

شربت نزلہ
کھانسی، نزلہ، زکام کے لئے

دماغین

خون صفا

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

مجلس تشخیص و تجویز کو اپنی بیماری کے حالات لکھ کر طبی مشورہ مفت حاصل کیجئے

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء — ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۲۲

نرخ تعاون

اندرون ملک ——— بیس روپے

فی پرچہ ——— ایک روپیہ

بیرون ملک بذریعہ بحری ڈاک عرب ممالک ——— ۵ پونڈ

ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ

افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ

یورپ و امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

اداریہ

مصر میں اسلام دشمنی کا تیسرا دور

اس ماہ کے اوائل میں مصری صدر نے اخوان المسلمون کے خلاف جو سخت اقدامات کئے ہیں وہ مصر کے حالات پر نظر رکھنے والوں کے لئے غیر متوقع نہ تھے بلکہ اس میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی یہ چیز باعث حیرت ہے۔

مصر میں عیسائی جو اپنے کو قبطی النسل کہتے ہیں اور دنیا کے قدیم عیسائی کہلاتے ہیں مسلمانوں کے مابین اختلافات کا سبب بنے ہوئے تھے اور اقلیت میں ہوتے ہوئے بڑی طاقتوں کی پشت پناہی میں اپنی طاقت کا بیجا استعمال کرتے تھے، مصری دستور کے تحت ان کو کچھ حقوق حاصل ہیں جس کی وجہ سے ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے میں دشواری پیش آرہی تھی مگر اس ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں صدر انور السادات نے قوم سے دستور کے اس دفعہ کے خلاف ریفرنڈم کرایا اور عوام نے حکومت کے حق میں فیصلہ دیا جس کے بعد حکومت نے بظاہر عیسائیوں اور حقیقتاً مسلمانوں کے خلاف سخت قسم کے اقدامات کئے۔ قبطی عیسائی چرچ کے سربراہ بابا شنودہ جس کے انتخابات کی تصدیق مصری دستور کرتا ہے کو معزول کر دیا اور ایک پانچ رکنی مشاورتی بورڈ کے سپرد کر دیا۔

مصر میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس وقت ۳ ملین عیسائی رہتے ہیں جبکہ مسلمان ۴۰ ملین ہیں مگر حال یہ ہے کہ عیسائیوں کے اکثر و بیشتر اسکول، مدرسے، اسپتال ہیں اور ایسی سوسائٹیاں ہیں جن کا عوام سے براہ راست رابطہ ہے چرچ بھی بڑی تعداد میں ہیں اور بعض علاقوں میں تو ۲۷ چرچ کے مقابلہ میں سات مسجدیں ہیں۔

مصر کے عیسائی بلکہ پورے براعظم کی عیسائی آبادی گذشتہ صدیوں سے اپنے عدم تحفظ کا اظہار کرتی رہی ہے اور اس کا سہارا لے کر اس وقت کی بڑی طاقتیں مداخلت کرتی رہی مگر جب سے مصر آزاد ہوا اس وقت سے بھی مصر کے عیسائی اپنے وطن کے خلاف سازش کرنے سے باز نہ آئے وہ ابھی بھی اسکو ایک عیسائی اسٹیٹ بنانے جیسے ناپاک عزائم پر کاربند ہیں۔ عیسائی فرقہ کے لاٹ پادری نے ۱۹۷۲ء میں ایک خفیہ جلسہ طلب کیا جس میں مندرجہ ذیل باتوں پر اتفاق ہوا۔

۱۔ مصر ایک عیسائی مملکت ہے۔

۲۔ عیسائیوں کی تعداد ۸ ملین ہے (سرکاری اعداد و شمار کے خلاف)۔

۳۔ عیسائیوں کے لئے تحدید نسل حرام ہے۔

۴۔ عیسائی ڈاکٹروں کو مسلمانوں میں تحدید نسل کو فروغ دینا چاہئے تاکہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو۔

محمود الازہار ندوی

۵۔ اسیوط سے اسوان تک ایک عیسائی اسٹیٹ ہونی چاہئے اور اس کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانا چاہئے۔

مصر میں مقیم عیسائیوں کی ایک خفیہ تنظیم ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے در پے آزار ہونا ہے سرکاری نوکریوں سے دور رکھنا ہے اور ملک میں پھیلے ہوئے چرچ کی عمارتوں میں اسلحہ جمع کرانا ہے تاکہ اس کو لبنان ثانی بنائیں۔

عیسائیوں کے ماتحت بڑے بڑے مدارس ہیں ہاسپٹل ہیں بڑی بڑی اکیڈمیاں ہیں جن کا کام اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ استشراق اور عیسائیت کی تبلیغ کرنی ہے اور مسلمان دانشوروں کو گمراہ کرنا ہے۔

مصر کی ایک غیور اور خود دار قوم ہے اور ایک مسلم اسٹیٹ میں رہتے ہوئے وہ عیسائی اسٹیٹ کا خواب اور ملک دشمن سرگرمیوں کو کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ اس نے جب مفسد عناصر پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا اور حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہ دی جس کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ملک دشمن عناصر تو دشمن تھے ہی حکمراں طبقہ پر سے ان کا اعتماد اٹھ گیا، وہ مصر کو عیسائیت کے نرغے میں دیکھ رہے تھے اس کے متعلق ان کے جذبات نازک اور غیر شعوری تھے وہ مصر کو ۱۹۷۳ء کا مقام دلانا چاہتے تھے۔ انھوں نے مصر کو کبھی بھی اسرائیل کی چالوں میں پھنس آنے دیا نہ اسرائیل سے بالمشافہ گفتگو کی تائید کی نہ اسرائیل کا دورہ کیا نہ اسرائیل کے وزیر اعظم کا قاہرہ میں استقبال کیا نہ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کو ملک کے مفاد میں سمجھا، اور جب اسرائیل کی چال کامیاب ہوئی تو مصر باقیماندہ عرب دنیا سے کٹ گیا، عرب لیگ جس کا مرکزی مقام قاہرہ تھا تونس چلا گیا۔ اسلحہ ساز فیکٹری کا قیام (جس میں مصر اور متحدہ عرب امارات شامل تھے) کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور لے دے کے مصر کا صرف ایک ہی مونس ہے اور وہ ہے سوڈان کیونکہ یہ بھی اس وقت دائیں بازو سے متعلق ہے۔

مصر کے اسلام پسند لوگ اندرونی، بیرونی دونوں محاذ پر یہودیت نوازی، عیسائیت نوازی، اسرائیل نوازی، اور امریکہ نوازی کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور اس کے خلاف آواز بلند کی سخت تقریریں کیں اور حکمراں طبقہ کے خلاف اپنے سخت جذبات کا اظہار کئے جس سے بچنے کے لئے صدر سادات نے ملک کی مسجدوں کے ائمہ کو معزول کر دیا، اور صرف ازہر کے سند یافتہ افراد ہی امام ہونگے کا آرڈیننس جاری کر دیا، ائمہ مساجد گرفتار کر لئے گئے، اسلام پسندوں کے اخبارات و رسائل بند کر دئے گئے، اور ملک کی ۴۰ ہزار سے زائد مساجد جس میں سے کچھ پہلے ہی سے سرکار کے کنٹرول میں تھیں کا نظم و نسق حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان میں سرفہرست ملک کی وہ ۲۵ مساجد ہیں جو اخوان المسلمون کے ماتحت تھیں۔

صدر سادات نے دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور مفسد و

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دینی و ادبی کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی کا سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطابق وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

سچائی و راست گوئی

مولانا عبد الحی حسنیؒ

آیات:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ. (سورہ توبہ آیت۔ ۱۱۹)
اے اہل ایمان! خدا سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو!

فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (سورہ محمد آیت۔ ۲۱)
تو اگر یہ لوگ خدا سے سچے رہنا چاہتے تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ. (سورہ ق آیت۔ ۱۸)
کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ. (سورہ اسراء)
اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا. (اسراء آیت ۳۶)
کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سچ ہی بولا کرو۔ سچائی موجب خیر ہوتی ہے اور خیر جنت میں لیجاتی ہے۔ آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کو اپنا شعار بنا لیتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک وہ صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور تم جھوٹ سے بہت بچو۔ جھوٹ فسق و فجور میں مبتلا کرتی ہے اور فسق و فجور جہنم میں لے جاتا ہے، آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کو اپنا شعار بنا لیتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ بالفاظ بخاری)

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے عظیم روم ہرقل کے ساتھ گفتگو میں فرمایا، ہرقل نے پوچھا وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابو سفیان نے فرمایا کہ میں نے جواب میں کہا کہ وہ کہتے ہیں، اللہ اکیلے کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز اور سچ بولنے، صدقہ دینے، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیچنے اور خریدنے والے کو اس وقت تک بیع ختم کر دینے کا اختیار ہے جب تک اس مجلس سے ہٹے نہ ہوں، اگر وہ دونوں سچ بولے اور بیع کے عیب و ہنر کو بیان کر دیا تو ان دونوں کے لین دین میں برکت ہوگی اور اگر عیب کو چھپایا اور جھوٹ بولے تو ان کے لین دین کی برکت ختم کر دی جائے گی۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بدترین جھوٹ یہ ہے کہ آدمی نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو اس کے متعلق کہے کہ میں نے دیکھا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، بدترین خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کرو جس میں وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابو داؤد)

حضرت صفوان ابن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اے اللہ کے نبی! کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، پھر آپ سے سوال کیا گیا، کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، پھر آپ سے پوچھا گیا۔ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! (بروایت مالک مرسلاً)

حضرت عبد اللہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک دن مجھ کو میری والدہ نے بلایا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، والدہ نے فرمایا، آؤ تمہیں دوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ سے فرمایا، تم نے کیا دینے کے لئے بلایا تھا؟ والدہ نے فرمایا کہ میں نے اس کو ایک کھجور دینے کی نیت سے بلایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ سے فرمایا کہ اگر بلا کر تم انھیں کچھ نہ دیتیں تو یہ جھوٹ میں شمار ہوتا۔ (ابو داؤد)

حضرت بہز ابن حکیم اپنے والد اور دادا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص برباد ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹی باتیں کرتا ہے، اس کی بربادی ہو، اس کی بربادی ہو۔ (ابو داؤد و ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کو جھوٹا ہونے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرے۔ (مسلم)

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس چیز میں تمہیں شک ہو اسے چھوڑ دو۔ اور اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو کہ سچائی اطمینان قلب ہے اور جھوٹ شک و شبہ ہے۔ (ترمذی)

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات

شمامۃ العنبر | زعفرانی حنا

کارخانہ

محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس

یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

ضرورت ہے

ایک تجربہ کار اتالیق کی خدمات مطلوب ہیں۔ جو قرآن پاک تجوید و قواعد کے مطابق اور دینیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک خاندان کے دس پندرہ بچوں کو پرائیویٹ طور پر پرائمری تعلیم بھی دے سکیں اور خصوصاً بچوں کی تربیت و نگرانی کر سکیں۔ قیام و طعام فری اور مشاہرہ صلاحیت و لیاقت کے مطابق ہوگا۔

(حاجی محمد احمد صاحب) کاشانۂ احمد۔ کٹرہ شہاب خاں۔ اٹاوہ

فساد کی جڑ عیسائیوں کے بابا شنودہ کو انکے عہدہ و اختیارات سے محروم کر دیا جسکا اثر عیسائیوں پر کچھ بھی نہ پڑا اور اس کا اندازہ عیسائی چرچ کے ان پانچ پادریوں میں سے ایک کے بیان سے ہوجاتا ہے جن کو بابا شنودہ کے معزول کرنے کے بعد صدر سادات نے مقرر کیا وہ کہتا ہے کہ بابا شنودہ کے عہدہ و اختیارات سے معزول کرنے کی خبر باعث تکلیف ہے مگر مصری صدر کے اخوان المسلمون کے خلاف اقدامات باعث تسکین و خوشی ہے نیز اس نے مصری صدر کے اس اختیار کو بھی چیلنج کیا کہ بابا کو عہدہ اور اختیارات سے محروم کرنے کا ان کو حق نہیں پہونچتا ہے، یہ باتیں پادری صموئیل نے کہیں ایسوایٹڈ پریس نے یہاں تک لکھا ہے کہ عیسائیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ بابا شنودہ کو روحانی پیشوا تسلیم کرتے رہیں گے اور مسلم جماعتوں کو تحلیل کرنے میں خوشی کا اظہار کیا۔ خود مصری صدر نے ملک میں فرقہ وارانہ تنازعہ پر جو بیان دیا ہے اس میں اس بات کا پورا اعتراف پایا جاتا ہے کہ بابا شنودہ ۱۹۹۵ء تک مصر کو ایک عیسائی اسٹیٹ بنانے کی سازش میں شریک ہیں اور اس کے برخلاف اخوان پر پابندیوں کا اعلان کیا۔

یہ ہیں مصر کے حالات، اور حکمران طبقہ کا اقدام جس کے خلاف آواز اٹھانا بھی جرم ہے اپنا حق طلب کرنا ناانصافی کی بات ہے ملک کی سالمیت کو نقصان پہونچانے والوں کو کھلی چھوٹ ہو اور جان نثار گردن زدنی کے لائق ہوں یہ کیسا انصاف ہے یہ کیسا دستور ہے، یہ کس جذبہ کے تحت روا ہے، دل میں کچھ زبان پر کچھ اور۔ کہیں اس کے ذریعہ اسلام کی آواز سے مصر کو محروم کرنا تو نہیں ہے مصر کے حکمرانوں نے مصر اور اخوان کی تاریخ میں ہر پندرہ سال میں اخوانیوں کو اپنی اس قسم کی کارروائیوں کا نشانہ بنایا ہے ان کی زبان بند کرنے کی کوشش کی ہے گردن اڑائی ہے، اور اہم لوگوں کو جلاوطن کیا ہے یا وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ شاہ فاروق نے اس صدی کی چھٹی دہائی میں ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا جمال عبدالناصر نے ساتویں دہائی میں ان کو نشانہ بنایا اور سرکردہ لیڈروں کو تختہ دار پر چڑھا دیا کہیں

یہ تیسرے دور کا آغاز تو نہیں ہے۔

خود مصر کا حکمران طبقہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے، قبطی عیسائی مصر کو ایک عیسائی اسٹیٹ کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور ملک کے مفادات کو مجروح کیا ہے۔ امریکہ و جرمنی میں مظاہرہ پر لوگوں کو اکسایا ہے تو صرف بابا شنودہ کو غیر موثر طریقہ سے اقتدار سے کیوں مجروح کیا گیا کیا صرف ان ہی کی ذات اس میں ملوث ہے ان کے ساتھ اور لوگ نہیں ہیں؟ کیا اور قبطی پادریوں نے ملک کو نقصان پہونچانے کی کچھ کم کوشش نہیں کی؟ یہ کیسا انصاف ہے کہ ملزم تو آزاد اور ملزم کے خلاف اٹھانے والا قید و بند کی صعوبت برداشت کرے۔

اس سے قبل دونوں ادوار میں صدر سادات اسلام پسندوں پر ظلم کا پہاڑ توڑنے میں برابر کے شریک رہے ہیں اور تیسرا دور تو خود ان کے ہاتھوں سے انجام پا رہا ہے۔

ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ صدر سادات اس طرح کے اقدامات سے ملک کو کیا دیں گے، کیا وہ مصر کو اسکا حقیقی مقام دلا سکتے ہیں اس کو اس کے صحیح منصب پر فائز کر سکتے ہیں؟ کیا وہ اس کی روحانی و ایمانی طاقت کو واپس لا سکتے ہیں، ہم کیسے تسلیم کریں کہ ان کی نیت صحیح ہے ظالم آزاد معصوم جیل میں۔ بے گناہ کس جرم میں جیل میں ہیں؟ ان کا جرم صرف یہی ہے کہ انھوں نے ملک کو عیسائیت سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی، اسرائیل نوازی سے باز رکھنا چاہتے تھے اور اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، یہودیوں سے برسر پیکار رہے۔ کیا مصر کے شہری کو اتنا بھی حق نہیں ہے کہ وہ دستور کے مطابق حق مانگے، دستور کی خلاف ورزی کرنے والوں پر پابندی کا مطالبہ کرے اور غداروں کے محاسبہ کا مطالبہ کرے، اور اس پاداش میں وہ قابل تعزیر ہے اور جو ملک کے ناموس پر کلنک کا ٹیکہ ہوں وہ سرخ رو ہوں۔ کیا اس کے بعد اب کوئی گنجائش رہ جاتی ہے موجودہ حکمراں طبقہ ایک طویل المیعاد سازش کے تحت اسلام پسندوں کو ختم کرنے پر تلا ہے، مساجد جو اللہ واحد کی عبادت کی جگہ تھی جاسوسوں اور سیکورٹی کے عملہ کی مرکز بن گئی ہے اور اس کی حیثیت بدل دی گئی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو مساجد کی بے حرمتی کریں اس سے غلط کام لیں دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کی وعید آئی ہے، ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا اولئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی و لہم فی الآخرۃ عذاب عظیم۔ (بقرہ - ۱۱۴)

بمبئی میں نفیس اور عمدہ چائے کے تھوک و خردہ فروش

عباس علاءالدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY. 3.
Tele: Add. CUPKETTLE
Phone: 882230. — 378054

۴۴ - حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

مدارس عربیہ کا بہت بڑا سرمایہ اور اسکی بہت بڑی طاقت اپنی درسگاہ پر فخر و ناز ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے دارالعلوم ندوہ میں تعلیمی سال کے آغاز پر کلیۃ اللغۃ العربیہ کے صدر جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی کی فرمائش پر المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے قاعۃ المحاضرات میں دراسات عالیہ و علیا کے طلبہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی اور ان کو یہاں آنے کے مقصد کے ساتھ مختصراً پڑھنے اور سوچنے کے اصول پیش کئے اور جو مواقع حاصل ہیں۔ ان سے استفادہ کی ترغیب دی، اس تقریر کو شاہ ابودجانہ تسنیم عثمانی متعلم علیا ثانیہ نے ٹیپ سے قلمبند کرکے مہیا کیا ہے، ادارہ ان کے اس تعاون کا مشکور ہے۔ (ادارہ)

مولانا نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

آپ کا نیا تعلیمی سال شروع ہو رہا ہے اور ہمارے وہ عزیز بھی جو رمضان المبارک کی تعطیلات میں گھر گئے تھے اور ابھی ان کی تعلیم کا حصہ باقی ہے وہ بھی آگئے ہیں اور بہت سے عزیز طالب علم نئے داخل ہوئے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ میں انکا خیرمقدم بھی کروں اور کچھ ان کو مشورے دوں اور ان کو بتاؤں کہ وہ کس طرح اپنی اس آمد کو اور یہاں کے قیام کو زیادہ سے زیادہ کارآمد اور مفید بنا سکتے ہیں۔ بعض مرتبہ بڑے بڑے سفر اور بڑی بڑی مہمات اس وجہ سے پورے طور پر نتیجہ خیز، انقلاب انگیز تو بڑی چیز ہے، مفید نہیں ہوئے کہ ان کے لئے پہلے سے ذہن تیار نہیں تھا اور اس منزل کی عظمت اور اس سفر کی اہمیت، مقامات اور ماحول کی نزاکت اور اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے معلوم نہیں تھے، عبادات اور ارکان اسلام میں حج ایک ایسا رکن ہے کہ اس کے لئے سب سے زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

اہتمام کے لفظ ہی سے مجھے یاد آیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جو انسانوں کا خالق ہے اس نے تقریباً ہر رکن کے لئے، ہر فریضہ کے لئے ایسے انتظامات فرمائے ہیں اور ایسے خارجی انتظامات اور اس کے راستے کی منزلیں ایسی متعین کر دی ہیں اور کچھ ایسے آداب مقرر کئے ہیں کہ انسان پوری بیدار مغزی کے ساتھ اور پوری تیاری کے ساتھ ان ارکان میں مشغول ہو۔ اور یہ نفسیات انسانی بلکہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، جو کام لاابالی پن سے اور ذہن بغیر حاضر کئے ہوئے اور بے شعوری کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے اس کے پورے ثمرات حاصل نہیں ہوتے، مجھ سے ایک بڑے طبیب اور بڑے تجربہ کار اور نفسیات شناس بزرگ نے فرمایا کہ جو ورزشی کام اور جو ریاضتیں اور محنتیں بغیر ورزش کے ذہن کے کی جاتی ہیں ان کا وہ ثمرہ نہیں نکلتا جو انسانی جسم کی تعمیر اور انسانی جسم کی نشو و نما میں ان ورزشوں سے نکلتا ہے جن کے ساتھ ورزش کا ذہن ہوتا ہے مثلاً انھوں نے کہا کہ سقوں کو دیکھو جو پانی بھرتے ہیں کتنی محنت کا کام کرتے ہیں لیکن ان کے بازو پہلوانوں کی طرح مضبوط نہیں ہوتے اور ان کا نشو و نما اور ابھار ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ پہلوان کا ہوتا ہے اس لئے کہ پانی بھرتے وقت، مشکیں اٹھاتے وقت، لیجاتے وقت ان کا ذہن ورزش کا نہیں ہوتا بلکہ ان کا ذہن بیگار کا ہوتا ہے یا روزگار کا ہوتا ہے یہ ایک اچھی چیز ہے لیکن اس سے ورزش کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بہت سے لوگ ہیں، گھاس چھیلنے والے بہت سے مزدور، اسٹیشن کے قلی، یہ سب جتنی محنت کرتے ہیں اگر مجموعی طور پر حساب لگایا جائے تو پہلوان اتنی ورزشیں نہیں کرتے ہیں اتنے ڈنڈ نہیں پیلتے، اتنی بیٹھکیں نہیں کرتے جتنی لکھنؤ اور لکھنؤ سے بڑھ کر بمبئی اور کلکتہ ہوڑہ کے اسٹیشن کا قلی کرتا ہے، لیکن آپ نے کسی قلی کو دیکھا کہ وہ گاما کی طرح مضبوط ہو، اس کے اعضاء کی متناسب نشو و نما ہوئی ہو، کیا بات ہے حساب لگائیے گا تو میزان انکی محنتوں کی زیادہ نکلے گی، لیکن چونکہ ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ ہمارا فلاں عضو مضبوط ہو اور اسمیں گوشت آئے اور خون کا دوران صحیح طور پر ہو اسی لئے ورزش کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، پیسے بھی مل جاتے ہیں اور کھانا بھی ہضم ہو جاتا ہوگا، لیکن ورزش کا جو فائدہ انسانی جسم کی مضبوطی میں اور اس کے سڈول بننے میں اور اس کے اعضاء کے خاص طور پر ترقی کرنے میں ہے وہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے تشریع الٰہی نے آسمانی تشریع نے اور الٰہی حکمتوں نے نماز کے لئے استنجاء اور وضو اور پھر مسجد کو جاؤ تو یہ خیال کرکے جاؤ کہ تم نماز ہی میں اس وقت سے شامل ہو گئے اور تمہارے یہ قدم جو پڑ رہے ہیں یہ سب عبادت میں شمار ہوں گے، نماز میں شمار ہوں گے پھر جب مسجد میں قدم رکھو تو درود شریف پڑھو اور اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک پڑھو۔ پھر وہاں جاکر تحیۃ المسجد پڑھو پھر سنن راتبہ ادا کرو اور پھر اس دھیان کے ساتھ بیٹھو کہ نماز کا انتظار کرنے والا سمجھا جاتا ہے تو وہ نماز ہی میں محسوب ہوتا ہے اور وہاں کوئی دنیا کی باتیں نہ ہوں۔ ان سب کا مجموعی اثر یہ پڑتا ہے کہ پھر وہ پورا وقت ثواب کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور اس کو وہ روحانی ترقی ہوتی ہے جس کو ہم آپ محسوس نہیں کرتے ہم روحانی ترقی مجاہدات میں اور مراقبات میں اور تصوف میں زیادہ محسوس کرتے ہیں لیکن مسجد میں صحیح نیت کے ساتھ بیٹھنے والے کو جو ترقی ہوتی ہے اور جو حضوری اس کو حاصل ہوتی ہے اور جو قرب خداوندی اس کو حاصل ہوتا ہے اس کی لوگوں کو اہمیت معلوم نہیں ہے قدر نہیں ہے اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی تصوف کی چیز نہیں ہے کوئی سلوک نہیں ہے کوئی مجاہدہ نہیں ہے۔

میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ سب سے اہم بالشان رکن جس کے لئے بڑا اہتمام کر دیا گیا ہے اور جس کی ساخت یہ رکھی گئی ہے کہ بغیر اہتمام کے وہ ادا ہی نہیں ہو سکتا وہ حج ہے لیکن حج میں بھی جو لوگ حج کی تیاری نہیں کرتے تیاری سے میری مراد پاسپورٹ یا قرعہ اندازی وغیرہ کی تیاری نہیں ہے یعنی اپنے ذہن کو تیار نہیں کرتے، حج کے فضائل اور حج پر جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں اور حج کی جو روح ہے اور حج کے جو مناسک ہیں اور حکمتیں ہیں اور روحانی فوائد ہیں، جو لوگ حج کا اس نظر سے مطالعہ نہیں کرتے اور حج کی عظمت سے واقف نہیں ہیں اور محرکات بھی ان کے اتنے عمیق اور اتنے صحیح نہیں ہیں جو ایک حاجی کے ہونے چاہئے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پورا حج کر لیتے ہیں اور فقہی حیثیت سے ان کا حج بھی صحیح ہوتا ہے یعنی مفتی فتویٰ کی زبان میں یہی کہے گا کہ ان کا حج صحیح ہے اور کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ان کا حج ادا نہیں ہوا لیکن حج کا اصل فائدہ لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات اور پھر یہ کہ جس کو حج مبرور نصیب ہوا وہ ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے کہ جیسے کہ یوم ولدتہ امہ من حج ولم یرفث ولم یفسق والی حدیث میں ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے اور عرفات کے دن شیطان کو اتنا رسوا اور ذلیل و خوار نہیں دیکھا گیا ہے جتنا کہ عرفات کے دن دیکھا گیا کس کثرت سے اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے پھر حج میں جو اللہ تعالیٰ نے انقلاب انگیزی کی شان رکھی ہے کہ زندگی سراسر تبدیل ہو جاتی ہے بالکل مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے اور انسان کا گویا اخلاقی حیثیت سے بھی ذہنی حیثیت سے بھی از سر نو پیدائش ہوتی ہے بہت سے لوگوں کو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی وہ چلے جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ زاد و راحلہ ہی شرط ہے بیشک شرط ہے اور اس کے بعد پورا حج کرکے چلے آتے ہیں اور کوئی فرق نہیں ہوتا بعض اوقات (اللہ معاف کرے گستاخی

ہوئی، اتنا اثر ہوتا ہے، عارف نے کہا ہے حج کے لئے حجاز تو پہونچ گئے مگر حج کرنا نہ سیکھا تھا۔ ویسے ہی دوسرے مصرعہ میں کہتے ہیں کہ سر سے کفن باندھ کے مقتل میں تو پہونچ گئے مگر مرنا نہ سیکھا تھا روح ابراہیمی اور عشق ابراہیمی کوٹ کوٹ کر، اسماعیلؑ کی قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے تعلق کوٹ کوٹ کر اب بھی بھرا ہوا ہے، بیت اللہ وہی حرم وہی ہے

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود
ایں ز اخلاص ابراہیم بود

آج بھی بیت اللہ شریف پر تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور جب بات آگئی ہے تو میں ایک بات عرض کردوں خود میرا بھی تجربہ ہے شاید اللہ کسی کو وہاں لے جائے۔ مکہ معظمہ میں ایک بزرگ تھے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب سید الطائفہ کے خلفائے خاص میں ہیں ہمارے ایک بزرگ دوست جو خود صاحب باطن اور صاحب احوال تھے۔ انھوں نے مجھے خود قصہ سنایا کہ میں مکہ معظمہ گیا تھا تو ایک خاص مقصد لے کر گیا تھا اور انکی زندگی کا ایک اہم مرحلہ تھا اس کے لئے مجھے دعا کرانی تھی۔ میرے والد صاحب نے مجھے بہت تاکید کی تھی کہ ——— اگر کوئی عارف باللہ کوئی مستجاب الدعوات ملے۔ اور وہاں نہ ملے گا تو کہاں ملے گا۔ تو میری طرف سے عرض کرنا کہ دعا کریں۔ تو جب ان کے پاس گئے تو ان سے کہا کہ میاں جو کام تم خود کر سکتے ہو وہ میرے ذمہ کیوں کرتے ہو تم کرو ہم نے کہا وہ کس طرح۔ کہا۔ دیکھو بیت اللہ شریف پر تجلیات کی بارش ہر وقت ہوتی ہے تم آنکھ بند کرکے آنکھ کھولو اور دعا کرو جب کسی تجلی خاص سے اتصال ہو جائے گا تو اس وقت دعا قبول ہوگی۔ بیت اللہ اب بھی وہی ہے جن کو اللہ نے توفیق دی وہ اب بھی محسوس کرتے ہیں مگر اللہ کے شہر بہت سے ایسے ہیں کہ وہاں جاتے ہیں اور ویسے ہی چلے آتے ہیں کیا بات ہے حج کی تیاری انھوں نے نہیں کی تھی حج کی عظمت ان کے دل میں نہیں بیٹھی۔ بیت اللہ شریف کو پہنچانا نہیں تھا۔ ان کا سعی صفا اور مروہ کے درمیان، مطاف اور بیت اور رکن والمقام اور چیزوں سے ان کا تعلق نہیں ہوا تھا۔ پورا پورا حج کر آتے ہیں، ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں اور اگر کوئی کہے تو بے ادبی کی بات ہوگی۔

میں نے کہا کہ بہت سے اللہ کے شہر ایسے ہی جاتے ہیں اور ویسے کے ویسے چلے آتے ہیں تو جب یہ بیت اللہ کا حال ہے جہاں ہر وقت دور چلتا رہتا ہے اور رحمت الٰہی برستی رہتی ہے، گھنگھور گھٹا برستی رہتی ہے پھر مدارس اور پھر علمی حلقے اور پھر اساتذہ کی صحبتیں یہ کیا چیز ہیں کہنا یہ ہے کہ بہت کچھ تعلق انسان کی ذہنی کیفیت سے ہے، اگر انسان کی ذہنی کیفیت درست ہو جائے جس کو نیت کہتے ہیں شریعت نے نیت کو اسی لئے اہمیت دی ہے نیت انسان کے اندر استعداد پیدا کر دیتی ہے اس کو اہل بنا دیتی ہے یعنی گویا جیسے کوالی فائی (Qualify) کرنا کسی کو کہتے ہیں وہ انسان کو اس کے لئے تیار کر دیتی ہے کہ اب وہ اس کے اثرات کو جذب کرے اس لئے نیت کی بڑی اہمیت ہے تو ذہنی کیفیت پر بہت اثر پڑتا ہے مثلاً ایک شخص ایک بڑے سے بڑے جامعہ میں، کسی زمانہ میں بغداد کا جامعہ نظامیہ تھا، نیشاپور کا جامعہ نظامیہ تھا، امام غزالی کا حلقہ درس تھا اور کس کس کے حلقہ درس تھے اور کتنے کتنے مدارس تھے اس پر مستقل کتابیں ہیں اس مدرسہ میں یا کسی مدرسہ میں بھی اگر جانے والا اس کیفیت کے ساتھ جا رہا ہے کہ میں ایک باغ میں قدم رکھ رہا ہوں اور میں ایک ادنیٰ درجہ کا گلچیں ہوں اور میں ایک پھول کا اور ایک ایک کلی کا محتاج ہوں اور یہ باغ کلیوں سے بھرا ہوا ہے اور مجھے اپنا دامن بھر لینا ہے۔ وہ دامن بھر کے آیا۔ اور اگر کوئی اس خیال سے وہاں گیا کہ کچھ بھی نہیں کانٹے ہی کانٹے ہیں لوگوں نے خواہ مخواہ گلستان نام رکھ دیا ہے۔ یہاں تو بھوک ہے پیاس ہے، تکلیف ہے اچھا کھانا نہیں ملے گا اور معلوم نہیں کتنی ہمیں وہاں ناز برداریاں کرنی پڑیں، کتنی ہمیں سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کیا ہے اور کیا فائدہ ہے اس علم کا اور کون سے بڑے استاد آسمان سے اترے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور بعض وقت یہ چیزیں انسان کی ذہنی کیفیت کی بہت حد تک تلافی کر دیتی ہیں بلکہ بعض اوقات بدل بن جاتی ہے اگر اس جگہ میں کوئی کمی ہے اور مرکز میں کوئی کمی ہے تو اس کی بھی تلافی اس سے ہو جاتی ہے ایسا دیکھا گیا ہے کہ دینے والے کے پاس زیادہ سامان نہیں لیکن لینے والے کی ہمت بلند ہے اور طلب ہے تو اللہ تعالیٰ نے دینے والے کی اس محدود پونجی میں برکت عطا فرمائی ہے اور لعل و جواہر سے دامن بھر دیا ہے یعنی بہت سے لوگوں کو ایسے استادوں سے فائدہ پہونچا ہے جو سچ پوچھئے اگر باقاعدہ یعنی تولا جاتا اور یہ کام کوئی پیمائش اور وزن کا ہوتا تو یہ فیصلہ ہوتا کہ اس استعداد والے کے لئے یہ استاد کافی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس متوسط استعداد والے استاد سے اس عالی استعداد والے طالب العلم کو ایسا فائدہ پہونچایا جیسے کسی بڑے استاد سے فائدہ پہونچا اور پہونچ سکتا ہے اسکی صدہا مثالیں ہماری علمی تاریخ میں ہیں ہمارے مدارس کی تاریخ میں اور تعلیم و تربیت کے نظام کی تاریخ میں ہیں۔ بہت سے استادوں کے طالب علموں نے اپنے استادوں سے ایسا فائدہ اٹھایا کہ خود استادوں کو حیرت ہوئی اور بعض اوقات تقریر کرتے وقت، درس دیتے وقت ان کو حیرت ہوئی کہ یہ مضامین کہاں سے آرہے ہیں اور مجھے خود اس کا تجربہ ہے کہ بعض اہل طلب طالب علموں کے سامنے مجھے محسوس ہوا کہ میرے اندر کوئی تیز ہو گیا ہے اور میرے اندر جیسے کوئی سوتا پھوٹ گیا ہے کوئی منفذ کہیں سے ایسا تھا جو بند تھا اب کھل گیا ہے اور اسمیں طلب کو دخل ہے مثلاً پوچھا جائے امام الحرمین جیسے بڑے پایہ کے شخص ہیں امام جوینیؒ ہیں لیکن امام غزالیؒ تو ان سے بھی بڑھ گئے ایسے آپ کو صدہا لوگ ملیں گے جو اپنے استادوں سے بڑھ گئے ہیں اس وجہ سے کہ ان کے اندر استعداد بھی اور طلب بھی اور تعدد بھی اور بعض اوقات تو ایسا ہوا ہے کہ اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے، بعض ذہین اور حساس طلبہ کو اپنے استادوں میں کچھ کمی محسوس ہوئی کہ وہ تسلی نہیں کر سکے۔ لیکن جن سعید طالب علموں نے طے کر لیا کہ ہمیں انھیں سے فائدہ اٹھانا ہے اور ہمیں انشاء اللہ انھیں سے فیض حاصل ہوگا تو وہ کامیاب ہوئے اور وہ ناکام ہوئے تو وہ جو مولانا روم کا شعر ہے

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

پانی کی فکر کم کرو اور پانی کم تلاش کرو، تشنگی زیادہ پیدا کرو تاکہ تمہارے پاؤں کے نیچے سے پانی ابلے۔ تاکہ آبت جوشد از بالا و پست، اوپر اور نیچے سے پانی ابلے اور پانی برسے۔

ہمارے عزیز بھائی جو اس سال آئے ہیں پہلی مرتبہ وہ اپنے ذہن میں اپنے فائدہ کے لئے مدرسہ کے فائدہ کے لئے نہیں کہتا۔ مدرسہ کو الحمد للہ جو کچھ بننا تھا اس کو جو کچھ مشہور ہونا تھا جو کچھ امتیاز پیدا کرنا تھا پیدا کر چکا، اور اصل عزت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے فائدہ کے لئے میں کہتا ہوں کہ مدرسہ اور مدرسہ سے تعلق رکھنے والوں کی وقعت پیدا کریں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کریں جتنا اللہ کا شکر ادا کریں گے انکے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری صحیح رہنمائی فرمائی ہم صحیح جگہ پر آئے ہیں اور ہمیں انشاء اللہ یہاں سے فائدہ پہونچے گا اور ہمیں یہاں سے فائدہ اٹھانا ہے بھرپور فائدہ اٹھانا ہے اتنا ہی ان کے حق میں بھی بہتر ہوگا اور جن لوگوں کے دلوں میں شروع سے شک بیٹھا ہوا ہے تردد ہے اور وہ اپنے مدرسہ کے بارے میں، درسگاہ کے بارے میں، اساتذہ کے بارے میں، نظام تعلیم کے بارے میں، نصاب کے بارے میں، احساس کمتری میں، احساس کہتری میں مبتلا ہیں اس سے کیا ہوتا ہے، اس نصاب سے کیا ہوگا یہاں پڑھ کر ہم کیا کریں گے جامعہ ازہر جاتے یا سعودی عرب کی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جامعۃ الامام محمد ابن سعود وغیرہ جن کے نام آپ سنتے ہیں یا سنیں گے وہاں جاتے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا اور یہاں کتنی ہمیں عربی سکھا لیں گے یہ خود عجمی ہیں اور یہاں کا ماحول بھی عرب کا نہیں ہے ہمیں کیا فائدہ ہوگا تو ان کو واقعی فائدہ نہیں ہوگا اور صاف

مجھے نظر آتا ہے، میرا تجربہ ہے، بحیثیت مدرس کے بھی، بحیثیت منتظم تعلیم کے بھی، بحیثیت ایک تاریخ کے موضوع کا مطالعہ کرنے والے کے بھی کہ ایسے لوگوں کو بالعموم فائدہ نہیں پہونچتا اور وہ کورے کے کورے رہتے ہیں اور بالکل ویسے ہی جاتے ہیں۔ لیکن جن کے ذہن میں درسگاہ کا وسیع تصور ہوتا ہے اس کے نظام کا اس کے مقاصد کا، اس کے تخیل کا، اس کے طریقہ تعلیم کا، ان کو بہت سی کمزوریوں، اور خامیوں کے باوجود فائدہ پہونچ جاتا ہے یہ تجربہ ہے اور ہمیں ایک بڑی یونیورسٹی کے ایک بڑے پروفیسر نے اور بڑے ذہین اور جن کے ہاتھوں سے درجنوں آدمی پی۔ ایچ۔ ڈی کر کے نکلے انھوں نے کہا کہ مولانا ایک چیز ہمارے یہاں ہے جس کو سنس آف پرائڈ کہتے ہیں یعنی اپنی درسگاہ پر ناز اس کو بہت دخل ہے، جن لوگوں کو اپنی درسگاہ پر مادر علمی پر اپنے اساتذہ پر ناز ہوتا ہے وہ بہت فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے بہت فائدہ پہونچاتا ہے یہ سنس آف پرائڈ ہے، مسلم یونیورسٹی کا بہت بڑا سرمایہ اور اسکی بہت بڑی طاقت اپنی درسگاہ پر فخر اور ناز تھا وہ یہ کہ ہم بہترین درسگاہ میں ہیں ہماری درسگاہ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ میں یہ بات ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے سامنے بھی ان کی آنکھیں نہیں جھپکتی تھیں ہمارے یہاں کے طلبہ میں آپس میں جو اتحاد ہے جو رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ واقعی علیگڑھ برادری کا رشتہ ضرب المثل تھا کوئی شخص کہیں چلا جاتا بے تکلف کسی . . . . علیگ کے مکان میں چلا جاتا اور گھر والوں سے کہتا کہ میں علی گڑھ کا طالب علم ہوں میں ٹھہروں گا ایک صاحب نے واقعہ سنایا تو کی آواز میں چھپا تھا کہ ہم کلکتہ گئے تو ہم نے کہا کہاں ٹھہریں ہوٹل میں ٹھہرنے کی سکت نہیں تھی تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک معروف روزنامہ کے ایڈیٹر علیگ ہیں دفتر میں پہونچے اور ہم نے کہا کہ ہم علی گڑھ کے طالب علم ہیں ہم آپ کے یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے اور آپ کو شرم آنی نہیں چاہئے کہ آپ اپنے کو علی گڑھ کا طالب علم کہتے ہیں آپ پہلے میرے گھر نہیں گئے پہلے یہاں آئے ہیں۔ آپ کو تو چاہئے تھا کہ پہلے وہاں جاتے چائے پیتے ناشتہ کی فرمائش کرتے سامان رکھوا دیتے کہتے ہمارا گھر ہے ہمیں یہاں رہنا ہے یہ لائیے اور وہ لائیے پھر آپ ہم سے ملتے اور کہتے کہ ہم ٹھہر گئے ہیں۔ اب آپ ہم سے پہلے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے یہاں ٹھہریں گے یہ تو علی گڑھ کی بات نہیں ہوئی۔ تو یہ بات کسی زمانہ میں ہمارے ندوی طلبہ ندوی فضلاء میں بھی تھی کہ ایک ندوی دوسرے ندوی کو ایسا ہی بھائی سمجھتا تھا بالکل بے تکلف لوگ کہتے تھے کب کی ملاقات ہے اور صرف رشتہ یہ ہے کہ ایک ہی درسگاہ میں دس برس پہلے انھوں نے پڑھا ہے اور دس ہی برس بعد انھوں نے پڑھا ہے یہی بات کم و بیش بڑے مدارس میں تھی۔

میرے عزیزو! پہلی بات تو یہ ہے کہ جب یہاں آئے ہیں تو اس میں آپ کا سراسر نقصان ہے فائدہ کچھ نہیں ہے کہ آپ اس کو بے وقعتی کی نظر سے دیکھیں اپنے والدین پر آپ کو تعجب ہو غصہ تو میں نہیں کہتا تعجب ہو اور تھوڑی سی شکایت کہ ہم کو کہاں بھیج دیا اس میں آپ بالکل محروم رہیں گے آپ کو فائدہ نہیں ہوگا اب تو شکل یہی ہے کہ آپ اسی پر خوش ہوں اور یہاں آئے ہیں تو ندوۃ العلماء کی تاریخ پڑھیں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا تذکرہ پڑھیں، حیات شبلیؒ پڑھیں اور ضرور پڑھیں حیات عبد الحئیؒ پڑھیں اور ندوۃ العلماء کی تاریخ پر . . . جو چیزیں ہیں ان کو پڑھیں اور ان سے ذہنی اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کریں، اس کے تخیل کو اس کے مقاصد کو جذب کرنے کی کوشش کریں پھر اس کے بعد جو ماحول یہاں ہے اس کو غنیمت نہیں بلکہ نعمت سمجھیں آپ یہ سمجھیں کہ ہمارا فائدہ تو یہاں رہنے میں ہے اور میں آپ سے صحیح کہتا ہوں کہ میں ۱۹۵۱ء میں مصر گیا میری عمر ۳۶-۳۷ سال رہی ہوگی ہم سال سے شاید کم ہی تھی تو مجھے وہاں ایسے لوگ ملے جو سالوں سے تھے اور ان کو اس وقت تک عربی بولنی نہیں آتی تھی اور پتہ لکھتے تو پتہ میں نحوی غلطی کرتے تھے اور ایک شخص کے درجہ سے واقف نہیں تھے طٰہٰ حسین بھی زندہ تھے، عباس محمود العقاد بھی زندہ تھے، احمد امین بھی زندہ تھے منصور علی باشا، احمد باشا اور محب الدین الخطیب اور بڑے بڑے اہل قلم جن کے ہم مضامین پڑھتے تھے با حیات تھے ہم یہاں تمنا کرتے تھے کہ کبھی ان کو دیکھیں وہ اس زمانہ کا آخری عہد تھا خدا نے مجھے صحیح موقعہ پر پہونچایا وہ نسل زندہ تھی یہی شام کا حال تھا علامہ کرد علی علامہ مغربی عبد الحق خلیل یہ سب لوگ زندہ تھے پھر اس کے بعد چل چلاؤ شروع ہوا۔ بعض ۶۰-۷۰ کے پیٹے میں تھے بعض ۷۵-۸۰ کے پیٹے میں تھے اور جب جانا شروع ہوا تو وہ قافلہ ایک دم سے چلا گیا، اور مصر خالی ہو گیا تو میں جب وہاں گیا تو مجھے کوئی چیز نئی نہیں معلوم ہوئی اسلئے کہ میں تقریباً سب کو پڑھ چکا تھا اور سب کے متعلق اپنے ذہن میں اور اپنے استادوں اور اپنے جس ماحول میں رہتا تھا ان کے متعلق میرے ذہن میں ایک ترتیب قائم ہو گئی تھی اور ان کی خوبیاں اور ان کی کمزوریاں بھی مجھے معلوم تھیں تقریباً ہر ایک سے میں اس طرح ملا جیسے ہندوستان کے ادیبوں اور شاعروں سے بلکہ ان سے بھی اتنا واقف نہیں تھا اس لئے کہ میرا اشتغال عربی ادب اور زبان سے بہ نسبت اردو زبان و ادب کے زیادہ تھا ویسے گھر کی تربیت اور ماحول کی وجہ سے شعر و شاعری کا عام چرچا تھا میں ناواقف نہیں تھا لیکن عرب ادباء کو تو میں، کسی کی پوری پوری کتاب، ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف میں نے پڑھا تھا، احمد امین کی فجر الاسلام، ضحی الاسلام، کا ایک حرف نہیں چھوٹا تھا اور اسکے حاشیہ پر میری رائیں لکھی ہوئی ہیں اور وہ میرے رائے بریلی کے کتب خانہ میں اب بھی موجود ہیں۔ اسی لئے آپ یہاں کے ماحول سے فائدہ اٹھائیے اور اگر آپ یہاں علمی و روحانی ورزش کی نیت کے بغیر اور اس کا ذہن پیدا کئے بغیر یہاں چار، چھ برس رہیں گے تو آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو میسر ہے جو اللہ نے آپ کو نصیب کیا ہے اس پر شکر کریں، میں اس لئے نہیں کہتا کہ میں ندوۃ العلماء کا ناظم ہوں یا مجھے بہر حال اپنے ادارہ کی تعریف کرنی ہے کہ اچھا ہے بلکہ اس لئے کہتا ہوں کہ میں اس میں آپ کا فائدہ سمجھتا ہوں اور آپ کا اسی میں فائدہ ہے کہ آپ یہاں آئے ہیں تو اس کو اپنے لئے موزوں ترین جگہ سمجھیں اور اپنے استادوں کو یہ مقام دیں کہ وہ آپ کی پوری پوری رہنمائی کر سکتے ہیں اور آپ کو پورا فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ وقعت پیدا کریں بغیر وقعت کے بالکل فائدہ نہیں کوئی کہیں بھی چلا جائے اگر کوئی معقولات پڑھے اور معقولات کی وقعت نہ ہو تو معقولات کبھی نہیں آئے گا، جب آپ کسی چیز کی افادیت سمجھیں گے تب وہ چیز آپ کو عطا ہوگی، یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ یہی انسانی نفسیات ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ آپ اپنے وقت کو کارآمد بنائیں اور اپنے اساتذہ سے درس کے علاوہ اوقات میں بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، اور ان سے ارتباط پیدا کریں، ان سے آپ کا ذاتی رابطہ ہو ان کی مجلسوں میں بیٹھیں ان کی ہر بات غور سے اور وقعت سے سنیں اور ذہن میں کچھ سوالات تیار کریں کہ ہم کس ترتیب سے مطالعہ کریں، ہم اپنی عربی اچھی کرنے کے لئے کون سی کتابیں پڑھیں، کس دور کی کتابیں پڑھیں، کن مصنفین کی کتابیں زیادہ زیادہ پڑھیں، کتاب کے مطالعہ کا کیا طریقہ ہے وہ بتائیے ایک کتاب ہم پڑھتے ضرور ہیں لیکن یاد نہیں رہتی، ہم کس طرح اس کا مطالعہ کریں کہ اس سے زیادہ فائدہ پہنچے اور آئندہ بھی ہم اس سے کام لے سکیں وہ شاید آپ کو کچھ تجربہ کی روشنی میں بتائیں گے کہ اس کو پہلی دفعہ یوں پڑھیں، دوسری مرتبہ یوں پڑھیں اور نوٹس بھی لیں۔ اگر وہ اہل قلم ہیں تو ان کی تحریروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کی تقلید کی کوشش کریں اور وہ جن لوگوں کو بتائیں کہ یہ آپ کے لئے اچھا نمونہ ہیں، آپ ان کی تقلید کیجئے ان کا اسلوب اختیار کیجئے جیسے مولانا شبلی یہاں تھے ان کی شخصیت بڑی موثر اور دل آویز تھی اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی شخصی کشش عطا کی تھی کہ جو لوگ انکے پاس بیٹھتے تھے وہ ان کے دل و دماغ پر چھا جاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ان کے برابر

نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی ادیب، نہ کوئی خطیب، نہ کوئی ذہین نہ کوئی مصنف، اور ان لوگوں کو ان سے فائدہ پہونچا ان میں سرفہرست مولانا سید سلیمان ندوی ہیں۔ انھوں نے گویا مولانا شبلی کو اپنے اندر اتار لیا تھا۔ ان کی محبت، ان کی عقیدت سے کیا چیز بن گئے تھے، اور پھر دوسرے نمبر پر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ہیں۔ اگرچہ وہ یہاں کے طالب علم نہیں تھے، مولانا عبدالباری ندویؒ ہیں اور اکرام اللہ خاں صاحب ندوی ہیں، حاجی معین الدینؒ احمد صاحب ندوی ہیں۔ مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم ہیں اور بعض لوگ ان کو مولانا شبلی کے اسلوب کو اخذ کرنے اور اس کو کامیابی سے نقل کرنے میں سید صاحب پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی کی تو ایک دوسری شخصیت ہی پیدا ہو گئی تھی ان میں دو شخصیتیں مل گئی تھیں، ان کی اپنی شخصیت جو بعد میں اپنی محنت سے (DEVELOP) انھوں نے پیدا کی اور خود ان کے خاندانی اثرات اور وہ شخصیت جو مولانا شبلی کی صحبت میں بنی، لیکن مولانا عبدالسلام کی شخصیت ابھری تھی وہ مولانا شبلی ہی کے اثر سے پیدا ہوئی، تو اس کا اتنا اثر پڑتا ہے اور ہم نے اپنے زمانہ کے طالب علموں کو بھی دیکھا ہے کہ وہ اپنے استاذ سے ذہنی طور پر جتنے زیادہ مربوط تھے، اخلاقی طور پر اتنا ہی ان پر استادوں کا عکس آیا ہے۔ یہاں تک کہ چال ڈھال میں بھی فرق پڑ گیا ہے۔ ہاں مولانا شبلی سے استفادہ کرنے والوں میں ایک نام میں اور بھول گیا ان پر مولانا شبلی کا بڑا اثر تھا مولانا آزاد نے مولانا شبلی سے پورا فائدہ اٹھایا اور دھر سے ان کے قدرداں تھے اور مولانا شبلی بھی ان کے بڑے قدرشناس تھے، تو یہ ذاتی فائدہ ہے، جن لوگوں کا مولانا سے ایسا رابطہ تھا ہر وقت ان کی مجلس میں اٹھتے بیٹھتے تھے اور ان کے مشورہ کے مطابق تقریر تیار کرتے تھے، مضمون لکھتے تھے، کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے تو وہ مولانا شبلی کا جو خاص فن ہے اور ان کا جو طرز تحریر ہے اور جو طرز استدلال ہے اس میں ان کے بڑے کامیاب متبع ہوئے۔ مولانا عبدالماجد کہتے تھے کہ اگر مولانا نے مجلس میں کوئی شعر پڑھ دیا تو ہم سمجھتے تھے کہ بس شاعر کو سند مل گئی، اب کچھ پوچھنا نہیں بس فوراً یاد ہو جاتا تھا مولانا شبلی نے اس شعر کی تعریف کی ہے اس شعر پر داد دی ہے۔ اسی طریقہ سے ہر دور میں ہوتا رہا ہے کہ جس استاد، ایک یا دو استاد یا پورے مجموعہ کو اگر وہ مقام دے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کو پورا فائدہ پہونچتا ہے پھر جب وہ منزل طے ہو جاتی ہے اور اللہ کو منظور ہوتا ہے تو ایک منزل خود بخود آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے کام لینا ہوتا ہے ان کو پھر آگے کے رہبر بھی مل جاتے ہیں، لیکن اگر پہلے ہی رہبر کی آدمی ناقدری کرے اور اس کو ہر وقت تنقید کا نشانہ بنائے اور اس کے نزدیک اصول مسلم یہ ہو جائے کہ وہ ناقص ہے تو پھر اس کا یہ مزاج بن جاتا ہے اور ہر چیز میں سب سے پہلے وہ عیوب ڈھونڈھتا ہے تنقید اپنے وقت پر اپنی مقدار سے اور تناسب سے ہو تو یہ بہت ضروری ہے اور ہر چیز توازن کے ساتھ بہت صحیح ہے، لیکن جب تناسب بگڑ جاتا ہے اور مزاج میں فساد پیدا ہوتا ہے تو یہ مضر ہوتی ہے۔ تنقید کا ایسا مزاج نہیں بنانا چاہئے کہ پہلے ہر چیز کو اعتراض اور شبہ اور تنقید کی نظر سے دیکھے، پھر اسکے بعد اس کا ذہن بدل جائے تو الگ بات ہے۔ ہمیں ہر چیز کو پہلے اس نظر سے دیکھنے کہ ہمارے لئے مفید ہے اور ہمیں ضرور اس سے فائدہ ہوگا، ہمیں سنجیدگی سے اس کو دیکھنا چاہئے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اس کے بعد اگر اس میں کوئی خامی، کچھ جھول کچھ ناہمواری نظر آئے تو کوئی حرج نہیں، تسلیم کرے اور اگر ضرورت ہو تو اس کا اظہار بھی کرے۔

میرے عزیزو! آپ کو اس وقت یہ کرنا ہے کہ آپ اس نیت کے ساتھ یہاں رہیں میں نے ورزش کی مثال دی، نماز کی مثال دی، حج کی مثال دی، اس کے بغیر فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم جہاں آئے ہیں یہ اتفاقی بات نہیں ہے ذالک تقدیر العزیز العلیم وجئت علی قدر یا موسیٰ یہ بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری صحیح رہبری کی اور ہم یہاں غلطی کرکے نہیں آ گئے، کہ چاہا تھا کہیں اور جانا اور پہنچے کہیں اور۔ آپ اپنے استادوں سے پورا فائدہ اٹھائیں، اپنے ماحول سے فائدہ اٹھائیں المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی ہے، ہم یہاں کوشش کر رہے ہیں کہ یہ ہندوستان میں بلکہ برصغیر میں اپنی نوعیت کا ایک شعبہ ہو۔ یہاں عالم اسلام کی فکری طور پر، تحریکات کے لحاظ سے، کوششوں کے لحاظ سے، ادبی مکاتب، جس کو مدارس ادبیہ کہتے ہیں، ادبی دبستانوں کے لحاظ سے، مصنفین کے لحاظ سے یہ ایک مرکز ہو، یہاں ان کی بہترین چیزیں بہترین نمونہ ہوں اور اس کے چارٹ اور ایسے نقشے مہیا کئے جائیں، ایسی کتابیں، مشرق وسطیٰ کے نامور خطیبوں کے کیسٹ مہیا کئے جائیں اور اس وقت بھی خاصی تعداد میں ہیں زیادہ تر تو میری تقریروں کے ہیں لیکن وہ بھی آپ کے لئے بلاتکلف اور بلاتواضع عرض کرتا ہوں کہ وہ بھی مفید ہوں گے، بس میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع دیا اور آپ کی عمر، آپ کی صحت اور حالات، دنیا کے حالات اس قابل ہوئے کہ آپ یہاں آ سکے یہاں ٹھہر سکے فائدہ اٹھا سکے۔ اور پھر آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور یہ بہت کچھ آپ پر منحصر ہے، آپ کے شوق پر منحصر ہے آپ کی طلب کے مطابق سطح بلند ہوتی چلی جائے گی۔ آپ کے شوق اور تیاری کی سطح جتنی بلند ہوگی اتنی ہی اللہ تعالیٰ اسکو بلند کر دیگا۔

آخر میں ایک بات اور کہہ دوں کہ یہاں سے جو رسالے نکلتے ہیں، البعث الاسلامی، الرائد اور تعمیر حیات تو اردو میں نکلتا ہے لیکن وہ بھی ہمارا اثر جاتا ہے، میرے مضامین شائع ہوتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ یہ باہر کے لئے نکلتے ہیں اور باہر جاتے ہیں ہمیں ان سے کیا مطلب، یہ نہیں بلکہ آپ اس کو سیکھنے کی نظر سے اس سے کچھ حاصل کریں گے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس وقت بلاد عربیہ کے صف اول کے اخبارات اور مجلات و رسائل کے معیار کے ہیں اور بہت سے رسائل و مجلات جو ممالک عربیہ و اسلامیہ سے نکلتے ہیں وہ کم و بیش انکے مضامین نقل کرتے ہیں ان کو آپ اہتمام سے پڑھیں۔ انشاء اللہ فائدہ پہونچے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

اپنے ذائقے، خصوصی ہیئت کے لئے

ڈرائی فروٹ برفی

کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خوبیوں کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی

فون 320050

بیکری — ۳۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

چند ضروری باتیں

دینی مدارس کے اساتذۂ کرام اور ارباب انتظام سے

جناب مولانا محمد صدیق صاحب
جامعہ اسلامیہ باندہ

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاصہ سے ہمارے دینی مدارس کو ایسے اساتذۂ کرام کی خدمات حاصل رہی ہیں جو علمی رسوخ، علمی پختگی، بلند کرداری، دیانت و تقویٰ، شب بیداری اور آہ سحرگاہی جیسے اوصاف و کمالات کی بنا پر مرجع خلائق تھے ان کی اخلاص وللہیت کی ہر چیز پر فائق رہتی تھی، اور انھوں نے کبھی بھی اپنی عزت و وقار کے لئے اجتماعی مفادات کی قربانی نہیں دی، اور اس کے ساتھ یہ بھی اصول مسلمہ ہے کہ اگر کسی نعمت کی قدردانی نہ کی گئی اور اس کا حق نہ ادا کیا گیا تو بہت اندیشہ ہے کہ یہ نعمت کہیں چھن نہ جائے جو ذات نعمت دینے پر قادر ہے وہ ناقدری کی بناء پر لینے پر بھی قادر ہے۔

تاریخ کے واقعات اس پر شاہد ہیں جن کا آپ حضرات کو علم ہوگا۔ اس لئے مندرجہ ذیل باتوں پر آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔

اپنے اندر کسی قسم کے استحقاق کا دعویٰ نہ ہو، جو خدمت بھی سپرد کی جائے اس کو انعام خداوندی سمجھ کر اخلاص کے ساتھ محض رضائے خداوندی کے لیے پوری دیانت کے ساتھ انجام دیا جائے — اللہ پاک کے یہاں مناصب اور اقتدار کی کوئی قدر نہیں وہاں سے جو کچھ ملتا ہے اخلاص اور قربانی پر ملتا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد اپنے اکابر اساتذہ سے بارہا سنا گیا ہے کہ ہم کو تو دین کی خدمت کرنی ہے ہم سے چاہے کوئی بغدادی قاعدہ پڑھوائے یا بخاری شریف۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ اگر کوئی طالب علم دینی ہمارے سر پر جوتے لگائے لیکن وہ ہم سے علم دین حاصل کرنے پر راضی ہو تو ہم یہ سودا کرنے کے لیے تیار ہیں — غور فرمایا جائے اکابر کے ان فرمودات میں ہمارے لیے اخلاص وللہیت اور تواضع و بے نفسی کا کیسا سبق ہے — یقین کیجئے تکبر اور جاہ پسندی کی بنیاد پر جو فتنہ پیدا ہوتا ہے وہ کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔

اتحاد اور اتفاق اور ایک دوسرے کا احترام رکھتے ہوئے کام کریں، اختلاف اور انتشار کے ساتھ خداوند کریم کی تائید باقی نہیں رہتی، اس کی نحوست قرآن و حدیث میں آپ حضرات پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں۔ خود ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں، کیا اختلاف کے بعد جو احترام ایک عالم دین اور خادم دین کا ہونا چاہئے وہ باقی رہتا ہے

طلبہ کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کیا جائے، یہ بگڑے ہوئے ماحول سے آتے ہیں۔ بہت سے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اس سے پہلے علم دین کی ہوا بھی نہیں لگی، اس کے برعکس ڈاکہ زنی، چوری، بدکاری ان کا پیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے، علاقے کے علاقے دین سے ناآشنا ہیں، ان پر محنت کرکے ان کو کسی قابل بنانا ہے۔ تحمل اور صبر کے ساتھ ان کو تنہائی میں بلا کر ان کی غلطیوں پر آگاہ کرکے راہ راست پر لانا ہے۔ اللہ پاک کی ذات سے بہت کچھ امید ہے کہ ہمارے تھوڑے سے مجاہدے اور نفس کشی سے ان کی زندگی بن جائے گی۔ اور اپنے اپنے علاقے کے لیے وہ دین کے محافظ و خادم بن جائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "انما انا لکم مثل الوالد لولدہ"[1] آپ کے سامنے ہے۔ یہ ارشاد پاک ہم کو دعوت دیتا ہے کہ استاد اور مربی کے اندر باپ جیسی شفقت ہونی چاہیے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہیے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ معلم کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہیے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جب تک تیرا غصہ باقی ہے اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کر۔"

ایک عارف کامل کا ارشاد ہے کہ جو استاد و مربی طلبہ کی اخلاقی برائیوں کو حسن خلق کے ذریعہ رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاد کہلانے کا مستحق نہیں۔

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علیؒ کا حال یہ تھا کہ جب طالب علم بیمار پڑتا تو اس کی قیام گاہ پر جا کر عیادت کرتے اور اس کی ہر طرح دلجوئی کرتے، حالانکہ اس زمانہ میں طلبہ ایک جگہ نہیں رہتے تھے مختلف مساجد اور مکانوں میں قیام ہوتا تھا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ صحن مسجد میں درس دے رہے تھے بارش ہونے لگی اور طلبہ اپنی اپنی کتابیں لیکر اندر چلے گئے۔ حضرت نے ان سب طلبہ کے جوتے اٹھائے اور حفاظت کی جگہ رکھ دیے۔

امام سفیان ابن عیینہ ایک مرتبہ کسی بات پر طلبہ سے ناراض ہو گئے اور فرمایا، "لقد هممت ان لا احدثكم شهراً" (میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ ایک ماہ تک درس نہ دوں) یہ سن کر ایک طالب نے عرض کیا "یا ابا محمد الن جانبك وحسن قولك وتأسّ بصالحي سلفك واجمل جلسائك فقد اصبحت بقية الناس وامين الله ورسوله على العلم۔ (اے ابو محمد! آپ نرمی اختیار فرمائیے اور قول حسن فرمائیے اپنے اسلاف کرام کی پیروی کیجئے، اپنے حلقہ نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے کیوں کہ آپ بقیۃ السلف ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے علم کے امین ہیں۔

امام ابن عیینہ نے جب یہ بات سنی تو نرم پڑ گئے اور رقت طاری ہو گئی بہت دیر تک روتے رہے اور یہ شعر پڑھا

خلت الديار فسدت غير مسود
ومن البلاء تفردي بالسودد

(بستیاں خالی ہو گئیں تو میں بغیر اس کے کہ مجھے سردار بنایا جاتا سردار بن گیا، اور تنہا میری سرداری میرے لئے بڑی آزمائش ہے)

آپ اللہ اور اس کے رسول کے امین ہیں۔ آپ اسلاف کا نمونہ نہیں بن سکتے تو پھر کن سے امید کی جائے، آپ حضرات اگر سلف صالحین کا نمونہ بنے، ان جیسے اخلاق اپنے اندر پیدا کئے تو دنیا کے لیے اچھا نمونہ بن سکتے ہیں اور آپ کے تلامذہ اور شاگرد اسی کی پیروی کریں گے۔

(ماخوذ ملخص ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

[1] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے، مطلب یہ کہ میں تمہارے لیے ایسا ہی ہوں جیسا باپ اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے (تم سب میری دینی اور روحانی اولاد ہو)۔ "الفرقان"

کیا اچھا ہو کہ مدینہ کے سفر میں "کاروانِ مدینہ" آپ کی ہم سفر ہو

عبد العزیز رفاعی

عبد العزیز الرفاعی ادبی، علمی مجالس سے تعلق رکھتے ہیں، سعودی عرب کے ممتاز ادبار اور شعرا میں ان کا شمار ہے، کئی ادبی تصنیفات ہیں، آسان عربی زبان میں اسلامی شخصیات پر ان کا ایک سلسلہ ہے، حکومت کے سابق وزیر رہ چکے ہیں۔ موصوف نے جب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کتاب الطریق الی المدینۃ کا مطالعہ کیا تو کیف و سرور سے جھوم کر کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور مسافر مدینہ کو اس کتاب کو اپنا ہم سفر بنانے کا مشورہ دیا۔

ترجمہ: شہاب الدین گورکھپوری، متعلم ندوہ

میں شروع ہی میں کہہ دوں کہ اس کتاب کے مؤلف کو میں محبت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ محبت کی وجہ تو یہ ہے کہ ان کی شخصیت جاذب قلب و نظر، خوش اخلاق و متواضع ہے۔ عزت و تعظیم کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ مؤلف محترم نے علم و ادب، فکر و نظر کے سارے گوشوں کو گھیرا کر دیا ہے۔ اور اس طرح وہ عالم اسلام کے گنے چنے علماء میں سے ایک ہیں اور ان میں بھی اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہیں، اور جب بھی عالم اسلام کے چوٹی کے ادبار کا شمار کیا جائے گا تو ایسے صاحب قلم جس کے قلم میں آبشار کی سی روانی ہے اور جس کے اسلوب میں سلاست و روانی کے ساتھ حلاوت و شیرینی بھی ہے کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ان کے مفکر ہونے کی بات ہے تو یہ اعلیٰ صفت بھی ان کے ساتھ سن رشد ہی سے لگی ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ عالم اسلام کے حالات و واقعات اس کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب کے سلسلے میں سوچتے رہتے ہیں اور یہی فکر ان کے ذہن و دماغ پر برابر چھائی رہتی ہے، یہی فکر ان کی تقریروں و تحریروں، ان کی مجلسوں اور محفلوں کا موضوع بنتی ہے وہ صرف اپنی برادری" اپنے شہر یا ملک کے اندرونی حالات و حوادث ہی پر نہیں سوچتے ہیں بلکہ وہ ایک عالمی اور بے مثال شخصیت کے مالک ہیں اور جو شخص ان تمام اوصاف کا حامل ہو وہ یقیناً مرکز توجہ بنتا ہے۔

یہ مختصر تمہید میں نے اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے بیان کر دی تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے کہ میں اس کتاب کو پڑھنے اور اس کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے ہی ان سے متاثر ہوں۔

جب قارئین کرام اس سے واقف ہو جائیں گے کہ میں نے اس کتاب کو اس حال میں پڑھا ہے کہ میں پہلے ہی سے اس کے مصنف سے روحانی طور پر بہت متاثر تھا تو خود بخود ان کی سمجھ میں آ جائے گا کہ اس کتاب کے پڑھتے وقت مجھ پر کتنا گہرا اثر پڑا ہوگا اور میں کس قدر متاثر ہوا ہوں گا۔

مدینہ طیبہ کے ایک مبارک سفر میں میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ جب بھی مجھے اپنے ہوٹل میں تنہائی نصیب ہوتی تو اس کا کچھ حصہ پڑھ لیتا یہاں تک کہ وہ کتاب ختم ہو گئی۔ مصنف محترم علامہ ندوی مدظلہ ان دنوں مدینہ طیبہ میں موجود تھے اور مجھے ان سے کئی مرتبہ ملاقات کا موقع ملا، اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔ میں نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔

کتاب پڑھنے سے قبل میں اس کے نام پر ذرا دیر کے لئے رکا، اس کے نام الطریق الی المدینۃ" نے مجھے وہ مفید اور مزیدار کتاب یاد دلا دی جو میں نے اپنی نوجوانی میں پڑھی تھی اور وہ کتاب استاذ محمد اسد کی "الطریق الی مکۃ" ہے جس کو میں نے بہت پسند کیا تھا اور جس کے مصنف سے بہت بعد میں چل کر میں متعارف ہوا اور پھر باہم محبت و اخلاص کے تعلقات پیدا ہو گئے۔

استاذ محمد اسد کی اس منفرد تصنیف کے برجستہ و سلیس اسلوب اور مصنف کے سنجیدہ افکار و خیالات سے میں بہت متاثر ہوا اور کچھ مجھ تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ بہت سے لوگ اس سے متاثر ہوئے جن میں علامہ ندوی کی ذات گرامی بھی ہے اور میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے علامہ ندوی کو استاذ محمد اسد کے معانی و مقاصد کے گہرائی و گیرائی تک رسائی کی مجھ جیسے معمولی پڑھے لکھے لوگوں سے کہیں زیادہ قدرت حاصل ہے۔ بہر حال میں "الطریق الی مکۃ" سے بہت ہی متاثر ہوا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اسی وقت اس کی تعریف میں کوئی قصیدہ بھی لکھا تھا۔

میں نے یہ کتاب مکہ مکرمہ میں پڑھی اور اس وقت میرا یہی اشتیاق تھا کہ مکہ مکرمہ کے بارے میں جو کچھ مل جائے اس کو پورے ذوق و شوق سے پڑھوں اور یہ میرا یہ جذبۂ شوق اب بھی باقی ہے لیکن آجکل یہ حالت ہو گئی ہے کہ وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ لکھنے پڑھنے کے لئے کوئی موقع نکال سکوں۔ حالانکہ لکھنا پڑھنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔

مدینہ منورہ میں جب بھی مجھے موقع ملا میں نے "الطریق الی المدینۃ" کا مطالعہ کیا بلکہ سارا وقت جو حرم نبوی اور مکتبات کے درمیان اور بہت کم دوستوں اور علماء سے (جن میں سر فہرست علامہ ندوی ہیں) ملاقات یا کسی مکتبہ پر کسی کتاب کی تلاش یا خریداری میں گذرتا اور باقی پورا وقت میں اپنی چارپائی پر دراز ہو کر اس کتاب کے پڑھنے میں گذارتا تھا۔

لیکن یہ دن بڑے مختصر ثابت ہوئے اور مجھے اپنی مصروف زندگی میں واپس آنا پڑا میں "الطریق الی المدینۃ" اپنے ساتھ اس پر کچھ لکھنے کے خیال سے لیتا آیا لیکن وقت گذرتا گیا اور کتاب میری میز پر پڑی رہی یہانتک کہ اس کا وقت اب آیا۔

اس وقت علامہ کی تصنیف "الطریق الی المدینۃ" کا چوتھا ایڈیشن (مطبوعہ دار القلم دمشق ۱۴۰۱ھ) میرے سامنے ہے مؤلف کا پہلا مقدمہ جدہ میں ۱۳/۱۳۸۵ھ میں لکھا گیا اور دوسرا ۳/۶/۱۳۹۴ھ میں لکھنؤ میں لکھا گیا اور اس کا مقدمہ محترم علامہ شیخ طنطاوی کے قلم سے ہے۔

علامہ طنطاوی نے توقع کے مطابق اس مقدمہ میں ان بلند معانی و حقائق اور افکار و نظریات کا ذکر کیا ہے جن تک پہنچنا انھیں کے مرتبہ کے ادبار و علماء و مفکرین کے بس کی بات ہے۔ علامہ طنطاوی نے اپنے اس مقدمہ میں زمانہ ماضی میں مدینہ منورہ کی زیارت میں پیش آنے والی ان صعوبتوں اور دشواریوں کا تذکرہ کیا ہے جو صحرا و ریگستان کے دشوار گذار اور پریشان کن سفر میں جھیلنی پڑتی تھیں اور ان دنوں وہاں کے لوگوں کے قلوب کس قدر نرم اور گند گیروں اور آلودگیوں سے کسقدر پاک و صاف ہوتے تھے اور ان کے اندر کتنی روحانیت و للّٰہیت پائی جاتی تھی لیکن اب حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ دیار حبیب کے سفر میں اب جو آسانیاں اور وسائل نقل کی تیز رفتاری، راحت و آرام کے اسباب کی فراوانی ہوئی اور اسی کے ساتھ دلوں کی جو کایا پلٹی، نرمی و رقت کی جگہ سختی و قساوت پیدا ہو گئی، دنیا اور اس کی لذتوں کی فکر، عیش پرستی سے غایت درجہ تعلق پیدا ہو گیا، علامہ موصوف نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے، یہانتک کہ انھوں نے اس چیز کو خود ذاتی طور پر بھی محسوس کیا۔ علامہ طنطاوی کی پہلے یہ حالت تھی کہ جب اشعار میں حجاز مقدس کا تذکرہ آتا تو ان کا دل جھوم اٹھتا تھا جیسے کسی کسان نے پھلدار درخت کو ہلا دیا ہو۔ لیکن آج یہ حالت ہو گئی ہے کہ اکثر جب وہ ان اشعار کو پڑھتے اور گنگناتے ہیں تو ان کے دل میں ان ٹہنیوں کے بقدر خفیف حرکت پیدا ہوتی ہے جن کے پتے موسم سرما کی وجہ سے جھڑ گئے ہوں اور وہ بالکل سوکھی لکڑیوں کی مانند رہ گئی ہوں۔ پھر وہ خود سے سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کچھ تو اس خزاں کے اسباب بیان کرو کیا یہ تبدیلی اور دلوں کا محبت و رقت سے خالی ہو جانا طویل اقامت کی وجہ سے ہے یا خود غفلت قلب کی وجہ سے یا گردش زمانہ نے یہ ظلم ڈھایا ہے اور اس کی یہ گت بنا دی ہے۔ پھر وہ اپنے محترم دوست مصنف کتاب

مولانا ابو الحسن علی ندوی سے مخاطب ہو کے کہتے ہیں کہ میں اپنا اعتماد کھو دینے کے قریب تھا لیکن جب میں نے آپ کی اس شاہکار تصنیف الطریق الی المدینہ (کاروان مدینہ) کا مطالعہ کیا تو میرا جذبۂ شوق لوٹنے لگا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ ابھی میرا دل محبت و عشق کے جوہر سے خالی نہیں ہوا ہے بلکہ اس پر زندگی کے افکار و احزان اور طویل انسیت و الفت کا غبار پڑ گیا ہے جس کے تلے یہ جوہر چھپ گیا ہے آپ کی اس مبارک تصنیف نے اس غبار کو جھاڑ دیا۔

جب علامہ طنطاوی جیسے بڑے ماہر ادیب اور عالم اپنے بارے میں ایسا کہہ سکتے ہیں جو علم و فضل، روحانیت و للّٰہیت، رقت قلب اور احساسات و جذبات کے اعتبار سے بڑے مقام پر فائز ہیں، تو میں آخر کیا کہوں میرے پاس تو ان میں سے کوئی چیز بھی قابل ذکر نہیں ہے۔

اس کتاب نے میرے قلب و روح پر جو اثر ڈالا اس کا میں انکار نہیں کر سکتا مجھے اس کتاب میں بہت سی ایسی چیزیں ملیں جنھوں نے روح کو جھنجھوڑا اور دل کو پگھلایا۔ جذبات کی خوابیدہ چنگاریوں کو بھڑکایا ان سب چیزوں کا احساس روح بیتاب، قلب مشتاق اور جذبۂ شوق ہی کر سکتا ہے کہاں میں اور کہاں یہ خصوصیات؟ میں تو بس علامہ ندوی مدظلہ کی اس تصنیف میں روحانی طور پر تیرتا رہا جس کو انھوں نے بیداریٔ قلب اور سلیس و شستہ اسلوب کی چاشنی سے بھر دیا ہے اور اپنی صاف و شفاف، پاکیزہ و بیدار روح سے اس کو مزید تقویت پہنچائی ہے۔ جس چیز نے اس کتاب کی تاثیر میں مزید اضافہ کیا وہ یہ کہ میں مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے چند ہی قدم کے فاصلہ پر تھا وہ عظیم مسجد جس نے دین و دنیا کے قواعد و ضوابط عطا کئے اور اس کی حیثیت ایک روشن مشعل کی سی ہے جس نے دنیا کے گوشے گوشے کو منور کر دیا۔

گذشتہ سطور میں میں نے استاذ محترم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بلند پایہ عالم اور اعلیٰ درجہ کے ادیب ہیں، اور ایسا فنی کمال اسی شخص کو عطا ہوتا ہے جسے علمی ترقی کی خواہش کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق اور دنیا کے ادب اور اس کی فنی دلچسپیوں سے مسلسل واقفیت حاصل کرنے کا شغف ہو۔

چنانچہ علامہ ندوی مدظلہ وسیع النظر اور باذوق کثیر المطالعہ ہیں، انھوں نے ادب قدیم کا خوب مطالعہ کیا اور اس سے اپنے عزیز طلبہ اور عربی ادب کے آثار و نقوش کے متلاشی قرار کے لئے ایسا انتخاب بھی پیش کیا جو صحیح اسلامی فکر کا آئینہ دار ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے جدید ادب کا بھی وسیع مطالعہ کیا چنانچہ انھوں نے . . . اپنے آپ کو قدیم ادب ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ نشأۃ ثانیہ کے بعد جو ادب وجود میں آیا اس کا گہرا مطالعہ کیا اس طرح ان کا شمار ادب کو نئی زندگی عطا کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

مولانا ندوی مدظلہ مختلف زبانوں سے واقف ہیں اردو تو ان کی مادری زبان ہے، عربی میں بھی ان کو تقریر و تحریر کا ایسا ملکہ حاصل ہے کہ عربیت کے چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے اور وہ انگریزی بھی جانتے ہیں جو ہندوستان میں تعلیمیافتہ طبقہ کی زبان ہے۔ وہ فارسی سے اس حد تک واقف ہیں کہ فارسی زبان کے اشعار سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے ہیں خصوصاً وہ اشعار جو روحانیت کے اسرار و رموز پر مشتمل ہیں ان کی دلچسپی کے محور ہیں۔

جو صاحب یہ دلچسپ کہانی سننا چاہیں کہ ہمارے علامہ ندوی میں ادب و تاریخ کا یہ ذوق کیسے پیدا ہوا تو وہ اسی کتاب کا پرلطف باب "الکتاب الذی لا انسیٰ فضلہ" (وہ کتاب جس کا احسان میں بھول نہیں سکتا) کا مطالعہ فرمائیں۔ وہ کتاب جس نے ہمارے علامہ کی شخصیت سازی میں اہم رول ادا کیا وہ کتاب قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین" ہے۔ ان کی یہ کتاب جس کو ہمارے علامہ نے بچپن ہی میں پڑھا ہے ایک طرف ان کی پسندیدہ کتابوں کا پتہ دیتی ہے تو دوسری طرف (جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے) ہم کو یہ بھی بتلاتی ہے کہ ان پر اس کا کتنا گہرا اثر پڑا اور ان کو اپنی اسی جاذب و دلفریب شخصیت سازی میں اس سے کتنی مدد ملی بلکہ وہ ان کی اس بلند شخصیت کی شاہ کلید ہے۔

اس کتاب نے ان کے اندر سیرت نبوی سے متعلق چیزوں سے غایت درجہ لگاؤ اور روحانی تعلق پیدا کر دیا جس کا اندازہ کتاب کے مندرجات سے بخوبی ہو سکتا ہے علامہ ندوی کی اس بے مثال تصنیف میں ہمیں انہیں کے دور کی ایک بلند پایہ شخصیت بلکہ زیادہ مناسب لفظوں میں شاعر و حکیم سے ملاقات ہوتی ہے جن سے ہمارے علامہ بہت متاثر اور ان کے ہر موقع پر ثناخواں نظر آتے ہیں۔ وہ شاعر و حکیم شاعر مشرق علامہ اقبال رحمہ ہیں۔

چنانچہ اس کتاب کے شروع کے ابواب میں ایک باب ہے "محمد اقبال فی مدینۃ الرسول" (اقبال در دولت پر) علامہ اقبال نے عالم خیال میں مدینہ طیبہ کا سفر کیا جسمانی طور پر حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تو ہمارے علامہ ندوی مدظلہ نے اس واقعہ کو بیان کرنے میں اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ وہ اس عظیم اسلامی شاعر کی جسمانی زیارت و دیدار سے محرومی پر ضعف و نقاہت اور جسمانی امراض کا عذر تلاش کریں۔ مجھے بیحد تعجب ہوتا ہے کہ اقبال اور شوقی جیسے شاعر جن کے اندر زبردست روحانی جذبہ کار فرما تھا وہ اپنے روحانی اشعار میں سچائی و بلند مقامی کے باوجود جسمانی طور پر زیارت گاہ نبوی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

بہر حال ہم علامہ اقبال کے لئے عذر تلاش کرتے ہیں اس لئے کہ ان کی بلند شخصیت ہر عزت و تعظیم کی مستحق ہے۔ اگر علامہ اقبال نے مدینہ طیبہ کو صرف اپنے دیدۂ شوق سے دیکھا تو ہمارے علامہ نے اپنے خیال و فکر سے ایسی ہی دوسری چیز تخلیق کی۔ ان کے سحر آفریں قلم نے تاریخ اسلام کی بلند ترین شخصیات کی ایسی ہی روحانی زیارت کی تصویر پیش کر دی ہے۔ بے تکلف عرض کروں گا کہ ہمارے رفیق محترم نے عالم تخیل میں بڑی بڑی تاریخی شخصیات اور ائمۂ وقت کو مسجد نبوی کی زیارت کا شرف بخشا ہے۔ جن میں خواتین اور اہل علم بھی شامل ہیں۔ تاریخ اسلام کی ان عظیم ہستیوں نے اس حاضری میں کیا کہا اس کو ہمارے علامہ نے دلچسپ اور ادیبانہ انداز میں پیش کیا ہے ایسے سلیس اسلوب میں جس میں علم کے ساتھ ساتھ ادب و تاریخ کا عنصر بھی شامل ہے اور یہ صاحب اسلوب کا ذاتی جوہر ہے کیونکہ وہ عالم بھی ہیں اور ادیب بھی۔ اسی طرح اس کتاب کے بقیہ ابواب بھی ہیں جو ہمیں مدینہ سے غار حرا کی طرف واپس لاتے ہیں پھر ہجرت و بعثت کا واقعہ سناتے ہیں یہانتک کہ کتاب اختتام کے قریب ہو گئی۔ اب آخری دو باب میں شعراء عجم بارگاہ نبوت میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

میرے نزدیک آخری یہ دونوں باب بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور یہ اس لئے کہ فاضل مؤلف نے ان میں بارگاہ نبوت میں شعراء عجم کے روح پرور اور حیات آفریں خراج عقیدت کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں باب ہمارے لئے ایسے روشن دان کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے ہم ان نقوش و شہ پاروں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور پھر یہ تمنا بلکہ امید بھی ہے کہ اگر ہمارے محترم دوست اس موضوع کا خصوصی مطالعہ فرمائیں تو اس پر ایک مستقل کتاب تیار کر سکتے ہیں اور اس طرح ان کی تصنیفات میں ایک حسین کڑی کا اضافہ ہو جائے گا۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ کتاب چند نشریات کا مجموعہ ہے جو مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر کی گئیں اسی طرح مصنف کے قلم سے چند مضامین بھی کتاب کی زینت بنے ہیں لیکن یہ سب پوری طرح موضوع سے ہم آہنگ ہیں۔ دراصل اس ہم آہنگی کا راز یہ ہے کہ یہ سب اسی روحانی مرکز سے تعلق رکھتے ہیں جسے ہم مدینہ طیبہ کے نام سے جانتے ہیں، بڑے لطف و مزے کی بات ہو کہ جب مدینہ طیبہ کا سفر ہو تو ہمارے علامہ کی یہ شاہکار تصنیف آپ کی ہم سفر ہو۔

••

مادرِ علمی ندوہ میں دس روز

ڈاکٹر ہارون الرشید صدیقی ـــــ جامعۃ الریاض

اگر آپ واقف ہیں تو کہیں گے مادرِ علمی کیسے لکھا، لیکن معاف کیجئے "ندوی" نہیں لکھا، صحیح ہے میرا نام طلبائے ندوہ کے رجسٹر میں کبھی نہیں رہا، لیکن میں نے یہاں ہر طالب علم سے زیادہ وقت لگایا اور اس کے ماحول سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

ثانویہ کے قیام پر ۱۹۵۱ء میں جب میں مرکز کے مکتب سے دارالعلوم لایا گیا تو صرف مڈل پاس تھا، البتہ اسی زمانہ میں راتوں کو محنت کر کے کلام پاک یاد کر لیا تھا اور دو کتابوں سے ضروریاتِ دین کا علم بھی حاصل کر لیا تھا، ابتدائی درجات کے لئے میں مشہور مدرس تھا، میرا کامیاب طریقۂ تدریس خود اپنا تھا جسے میں نے مطالعہ اور اپنی اُپج سے خود ایجاد کیا تھا، لیکن ندوہ کے ماحول سے جو کچھ سیکھا وہ بہت ہے۔ توسیع مطالعہ کا جذبہ ندوہ ہی نے پیدا کیا، جسکے نتیجہ میں ہائی اسکول، انٹر، بی۔ اے، ایم۔ اے، معلم اردو اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی سندیں اور ڈگریاں حاصل ہوئیں، الحمد للہ یہ مطالعہ کبھی بھی ادائگی فرض میں حائل نہ ہوسکا، دن ندوہ کا تھا اور رات مطالعہ کی، غرض کہ مجھے ڈاکٹر بنانے والی لکھنؤ یونیورسٹی نہیں ندوہ ہے، اس لئے ندوہ کو "مادرِ علمی" کہنے میں حق بجانب ہوں۔

ہائی اسکول کرنے سے پہلے ہی اسلامیات کے باقاعدہ مطالعہ کا پروگرام تھا، اور اسی جذبہ کے تحت حفظ کیا تھا لیکن دوسری تعلیمی مصروفیات اسے مؤخر کرتی رہیں ۱۹۷۸ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے بعد عزم بالجزم کر کے پروگرام بنایا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، عمل سے پہلے ریاض یونیورسٹی جانے کے اسباب پیدا ہوگئے، درخواست بھیجی، منظور ہوگئی، چلا گیا، اللہ نے خوب محنت کی توفیق دی اور ایسا نوازا کہ دو سال میں عربی لکھنے پڑھنے لگا، پھر ایک مردِ غیب کے تعاون سے بالکل خرقِ عادت کے طور پر ایم۔ اے میں مشروط داخلہ ہوگیا شرط یہ تھی کہ، النحو، اصول الفقہ الاول والثانی، التفسیر الاول والثالث، مصطلح الحدیث، فقہ العبادات، الفقہ المقارن، العقیدۃ الاسلامیۃ، المدخل لعلوم القرآن، الفرق الاسلامیۃ اور الاسلام والفلسفۃ سال بھر پڑھوں اور امتحانات میں کم سے کم اسّی فیصد نمبر لاؤں، خدا کے فضل سے شرط پوری ہوئی، چورانوے فیصد نمبر آئے، اب ایم۔ اے میں باقاعدہ پڑھتا ہے، میں کبھی بھی کسی دینی مدرسہ کا طالب علم نہیں رہا ہوں اس لئے طے کیا کہ ماجسٹر کی تعلیم سے پہلے تبرکاً اپنے علماء سے استفادہ کروں، چنانچہ اسی غرض سے ستمبر کے پہلے عشرہ میں ندوہ حاضر ہوا، اور مہتمم صاحب سے اجازت لے کر حضرت مولانا برہان الدین صاحب کے درسِ تفسیر اور حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحب کے درسِ حدیث سے استفادہ کیا، باقی اوقات کتب خانہ اور دوسرے اساتذہ کی صحبت میں گزرے، مناسب سمجھا کہ اپنا تاثر بیان کروں اور ساتھ میں ریاض یونیورسٹی کی تعلیم کا بھی ذکر کردوں، امید ہے طلبائے ندوہ پسند فرمائیں گے۔

مولانا برہان الدین صاحب کا درسِ تفسیر:

درجہ میں حاضر ہوا تو سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع چل رہا تھا، طالب علم کی تلاوت کے بعد پہلے مولانا ترجمہ فرماتے ہیں، پھر ایک ایک زیادہ معانی رکھنے والے الفاظ کی تشریح فرماتے ہیں، پھر پچھلی آیات سے ربط بتاتے ہوئے سادہ تفسیر بیان کرتے ہیں جو خلاصۃ التفاسیر ہوتی ہے، پھر قرآنی الفاظ کا اعجاز بیان کرتے ہیں، پھر خود ہی فقہی، نحوی اور عقلی اشکالات پیش کر کے جوابات دیتے ہیں، اندازہ ہے کہ طلباء کے سارے اشکالات کے جوابات ہوجاتے ہیں بلکہ ان کو بعض ایسے اشکالات اور ان کے جوابات کا علم بھی حاصل ہوجاتا ہے جن تک ان کا ذہن آسانی سے نہیں پہنچ سکتا تھا، فکر و مطالعہ کے لئے مولانا دو ایک سوال بھی چھوڑ جاتے ہیں، طلبہ اہم باتیں نوٹ کرلیتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی تفصیل سے پڑھانے میں مقدار کم ہوگی چنانچہ رکوع مذکور سات دنوں میں پورا ہوا۔

اپنے مدارس کے درسِ تفسیر میں شرکت کا یہ پہلا اتفاق تھا، مناسب سمجھتا ہوں کہ ریاض یونیورسٹی میں جو کچھ دیکھا اسے بھی مختصراً تحریر کردوں، ہمارے علماء کو ان ڈاکٹروں پر اخلاقی و دینی برتری بھی حاصل ہے اور علمی بھی، یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے مصلحت کے خلاف نہ ہوتا تو مثالیں پیش کرتا البتہ طریقۂ تدریس قدرے جدا ہے، الفاظ کی تشریح کے بعد وہ کبھی کبھی نحوی ترکیب بھی واضح کرتے ہیں، تفسیر سادہ ہوتی ہے نکات بورڈ پر درج کرتے ہیں، ایک سے زیادہ تفسیروں کے مطالعہ کی ترغیب ہی نہیں بلکہ ان میں کچھ کام دے کر ان کے پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں، اشکالات صرف طلبہ پیش کرتے ہیں، جوابات استاذ دیتا ہے لیکن پہلے طلبہ سے دریافت کرتا ہے اگر کوئی طالب علم جواب دے سکتا ہے تو اس کو موقع دیا جاتا ہے، بعض طلبہ لکچر لکھتے بھی ہیں لیکن استاذ صاف کہہ دیتا ہے کہ مطلوب میرا لکچر نہیں بلکہ تفسیریں ہیں، یومیہ درس نسبتاً یہاں سے زیادہ ہوجاتا ہے، لیکن تفسیر بلکہ جملہ مضامین کی پڑھائی وہاں ہفتہ میں دو روز ہوتی ہے یا تین روز اس لئے مجموعی مقدار بہت کم رہتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ وہاں کے طلبہ میں خود اعتمادی زیادہ ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ استاذ کی رہنمائی میں اپنے بحث و مطالعہ سے حاصل کیا ہے جب کہ یہاں کا طالب علم سب کچھ اپنے استاذ سے منسوب کرنے کو فخر سمجھتا ہے، اساتذہ و طلبہ کے فرق سے وہ وہاں مفید ہے اور یہ یہاں۔

مولانا ضیاء الحسن صاحب کا درسِ حدیث:

درسِ حدیث میں حاضر ہوا تو بخاری شریف جلد اول میں کتاب الوضوء، درجہ ثانی میں کتاب المغازی" پڑھائی جارہی تھیں، متن حدیث کے درس میں شرکت کا زندگی میں یہ پہلا موقع تھا، طالب علم کی قرأت کے بعد مولانا کی سادہ تقریر شروع ہوجاتی ہے، پہلے باب کی مناسبت پچھلے باب سے، پھر ترجمۃ الباب کی مناسبت احادیث سے، پھر امام بخاریؒ کا موقف، دوسرے ائمہ مجتہدین کا موقف، پھر حدیث کا ترجمہ، پھر توضیح، ازالہ تعارض، تطابق، ترجیح، توجیہ جس چیز کی ضرورت ہو علم کا دریا بہاتے چلے جاتے ہیں، اہم باتیں مکرر، سکرر فرما کر ذہن نشین کراتے ہیں، اکثر طلبہ مولانا کی ایک ایک بات نوٹ کرتے ہیں۔

مولانا حنفی ہیں لیکن مذہبی تعصب سے بری ہیں، سب کا موقف مع ان کی دلیلوں کے غیر جانبدار ہو کر پیش فرما دیتے ہیں اور جس میں جو کمزوری ہوتی ہے اس کو واضح کردیتے ہیں خواہ وہ کمزوری حنفی شارح ہی کی کیوں نہ ہو۔

ریاض یونیورسٹی میں متن حدیث کے درس میں شرکت کا موقع ابھی نہیں ملا لیکن حدیث کے مختلف محاضرات میں شریک ہوتا رہا ہوں جس کی بنا پر دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہمارے علماء ان پر فائق ہیں اور معمولی نہیں زیادہ فرق ہے، آپ حیرت کریں گے کہ کئی اساتذہ نے درجہ میں کہا کہ حدیث پڑھنا ہو تو ہندوستان جاؤ، چنانچہ بعض غیر سعودی طلبہ نے مجھ سے ندوہ کی معلومات کر کے یہاں آنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ یہاں ان کو صرف کھانا ملے گا، آمد و رفت کا خرچہ بھی نہ مل سکے گا تو رک گئے، ریاض یونیورسٹی میں جس استاذ کا درسِ حدیث میں بڑا شہرہ ہے وہ بھی ہندی ہیں یعنی "مولانا مصطفیٰ اعظمی"۔

البتہ طریقِ تدریس اور طریقۂ امتحان کی بعض چیزیں وہاں یہاں سے بہتر ہیں ان کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ مثلاً:

اچھے اساتذہ اہم اشارات کے لئے بورڈ کا استعمال کرتے ہیں چاہے وہ درس حدیث ہو یا تفسیر،

گھر کا کام ضرور دیا جاتا ہے جو مطالعہ سے بھی تعلق رکھتا ہے اور تحریر سے بھی۔

مضمون سے متعلق ایک بحث لکھنا ہوتی ہے جس سے اس مضمون سے متعلق جملہ تصانیف نظر سے گزر جاتی ہیں اور اس بحث کو استاذ لفظ بلفظ پڑھ کر نمبر دیتا ہے جو آخری امتحان میں محسوب ہوتے ہیں۔

سمسٹر سسٹم ہونے کے سبب سال میں دو بار آخری امتحانات ہوتے ہیں لیکن ان کے علاوہ استاذ سال میں دو امتحانات اپنے طور پر لے کر نمبر دیتا ہے جو آخر کو امتحان میں ملائے جاتے ہیں۔

اس بحث اور اساتذہ والے نجی امتحانات کے تین فائدے ہیں:۔

۱۔ مضمون سے متعلق جملہ کتب کا علم ہوجاتا ہے اور ان کی سرسری معلومات بھی ذہن نشین ہوجاتی ہیں۔

۲۔ تمام دروس کا خلاصہ مستحضر رہتا ہے۔

۳۔ استاذ کے دئے ہوئے نمبر آخری امتحان میں معاون ہوتے ہیں۔ ان مفید پہلوؤں کے علاوہ مضر پہلو بھی ہیں لیکن ان کا ذکر بھی غیر مفید ہے۔

واضح رہے کہ وہاں سے متعلق میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ریاض یونیورسٹی کی بات ہے دوسری جامعات کا حال مجھے نہیں معلوم۔

کتب خانہ:

حدیث و تفسیر کے دروس کے بعد جو وقت ملا کتب خانہ میں لگایا، ندوہ کا عظیم کتب خانہ محتاج تعارف نہیں جو نوادرات و مخطوطات کے لئے مشہور ہے عموماً درسی کتابیں طلبہ کو عاریتاً دی جاتی ہیں اس لئے شروع سال میں کتابیں جاری کرنے اور آخر سال میں واپس لینے کا کام بڑی محنت کا ہوجاتا ہے، جسے امین المکتبہ مولانا محمود حسن صاحب اور ان کے معاونین بڑے حلم و تدبر اور مستعدی سے انجام دیتے ہیں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ وہاں کی لائبریری کی بعض مفید باتوں کا ذکر کروں۔

ریاض یونیورسٹی کی ہر کلیہ میں ایک معقول لائبریری ہے، ان لائبریریوں کے علاوہ ایک مرکزی لائبریری بھی ہے جو بہت بڑی ہے، وہاں لائبریریاں عموماً ساڑھے سات بجے صبح سے رات کے آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہیں، مرکزی لائبریری تو دس بجے تک کھلی رہتی ہے، البتہ کالج کی لائبریریاں ڈھائی بجے سے پانچ بجے تک بند رہتی ہیں اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلبہ کتابیں کم جاری کراتے ہیں بلکہ لائبریری ہی میں مطالعہ کرنا پسند کرتے ہیں، دولت کی فراوانی کے سبب اس کا اچھا انتظام بھی ہے وہاں طلبہ کتابیں خود نکال لیتے ہیں، ملازمین صرف انکی جگہوں پر لگاتے ہیں، آپ کو حیرت ہوگی کہ ہماری کلیہ کی لائبریری تقریباً ندوہ کی لائبریری کے برابر ہے اس میں کتابیں لگانے پر صرف ایک پاکستانی مامور ہے اور وہ بآسانی لگا لیتا ہے، مگر طلبہ کے مزاج کے فرق کے سبب وہ طریقہ یہاں مشکل سے چل پائیگا۔

دارالعلوم میں مقیم اساتذہ کی صحبت:

عصر کے بعد کے اوقات عموماً دارالعلوم میں مقیم اساتذہ کی صحبت میں گزرے، یہ ڈگری ہولڈر ڈاکٹر تو نہیں ہیں لیکن اپنے فن میں ماہر و محقق ضرور ہیں، کوئی نحوی ہے تو کوئی صرفی، کوئی ادیب ہے تو کوئی مورخ، کوئی شیخ الحدیث ہے تو کوئی شیخ التفسیر اور کوئی فقیہ۔ غرض کہ ایک سے ایک ہیں، وسعت علمی کے ساتھ ساتھ وسیع القلب بھی ہیں، ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملنا اور ضرورت پر ہر موضوع پر تبادلۂ خیال کرنا انکا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو اور جہاں کہیں دین کا کام ہو رہا ہو سب کو ہر طرح کے شر سے محفوظ فرمائیں۔ آمین

نگرانِ اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلسِ ادارت

نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
کی
چند اہم اردو مطبوعات

● نبی رحمت ﷺ: پیغمبر خدا نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ و سیرت مبارکہ جس کی ترتیب و تالیف میں قدیم و جدید معلومات و تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش کی گئی ہے، زمانۂ بعثت کی تصویر، معاصر دنیا، جزیرۃ العرب اور حجاز کا اہم تمدنی، سیاسی و تاریخی پس منظر ـــ واقعات و حالات، ہدایات و تعلیمات، اور نتائج و اثرات کی مستند روداد، جو ہر دور میں افراد و اقوام اور نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کی طاقت و صلاحیت سے معمور ہے، قیمت اردو ایڈیشن -/۳۶ انگریزی -/۴۵ روپے

● منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین: جس میں بنی نوعِ انسان اور تمدنِ انسانی پر نبوت کے احسانات انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقۂ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں نیز نبوتِ محمدی کے لافانی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو ایڈیشن -/۱۲ انگریزی -/۲۴

● مذہب و تمدن: اس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات، خالقِ کائنات اور مقصدِ حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ اور صحیح علم ہی پر ایک استوار معاشرہ اور صالح تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے، دنیا اب تک جن تہذیبی ادوار سے گزر چکی ہے وہ کن عقائد و نظریات کی پیداوار تھیں اور اسلام سے کس طرح ایک صالح اور صحت مند تمدن کا وجود ہوتا ہے؟ قیمت اردو ایڈیشن -/۷ انگریزی -/۱۰

● ارکانِ اربعہ: جس میں اسلامی عبادات (نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ) کی شرعی حیثیت، دین میں ان کی اہمیت، اجتماعی زندگی میں ان کے مقام اور مقاصد، اور اسرار و حکم پر کتاب و سنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے، دیگر اہم مذاہب عیسائیت، یہودیت نیز ہندو مذہب سے تقابلی مطالعہ کے ساتھ۔ قیمت اردو ایڈیشن -/۲۰ انگریزی -/۵ روپے۔

● انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: مولانا ندوی کی وہ شہرۂ آفاق اور انقلاب انگیز کتاب جس کے اردو، انگریزی، ترکی، فارسی اور فرانسیسی تراجم کے علاوہ صرف عربی میں تقریباً ۱۲ ایڈیشن قاہرہ، بیروت، کویت اور قطر و دمشق سے شائع ہو چکے ہیں۔ قیمت اردو ایڈیشن -/۱۸ روپے انگریزی -/۲۵

مجلسِ تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

ندوہ کے شب و روز

۱۔ مدرسہ تحفیظ القرآن کی تعمیر کا آغاز،

۲۔ النادی العربی کا افتتاحی جلسہ،

۳۔ جمعیۃ الاصلاح کا انتخاب،

دار العلوم میں تعلیم کا آغاز داخلہ مکمل ہونے کے بعد ہو گیا۔ ابتدائے سال اور جدید طلبہ کی ایک بڑی تعداد کی آمد کی وجہ سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے طلبہ کو یہاں آنے کا مقصد، قیام کو کس طرح مفید اور کارآمد بنانے کے موضوع پر اہم تقریریں کی، اس میں سے بعض تعمیر حیات میں شائع ہو گئی ہیں اور بعض افادیت کے پیش نظر آئندہ شماروں میں شائع کی جائے گی، لیکن سب سے زیادہ دار العلوم کی انتظامیہ کے سامنے طلبہ کی رہائش کا مسئلہ ہے، رواق اطہر، شبلی، رحمانی، سلیمانی اور معہد عالی کی جدید قیام گاہ میں کوئی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ذمہ داران دار العلوم نے طلبہ کی ایک بڑی تعداد کو اطہر ہال میں قیام کی اجازت دیدی ہے جو خود طلبہ اور انتظامیہ دونوں کے لئے ایک مسئلہ ہے۔ جگہ کی قلت کے پیش نظر دار العلوم کے ذمہ داروں نے سوچا کہ تحفیظ القرآن جس کا نقشہ منظور ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے اور اس کی بنیاد مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد اللہ الزائد نے رکھی تھی اس کی اب تک تعمیر کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ طلبہ کو جلد از جلد سہولت پہنچانے اور قیام کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اسی کی معینہ جگہ پر تعمیر شروع کر دی جائے، اس وقت حضرت مولانا حجاز میں ہیں اور ان کی آمد تک اس کام کو مؤخر کرنا قیام کے مسئلہ کو مزید الجھانا ہے ایک مختصر سی تقریب سے اس کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے حفظ قرآن کے موضوع پر مختصر مگر جامع تقریر کی تھی، جس سے دار العلوم کے اس شعبہ کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مولانا نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا "لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہٗ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ۔

پہاڑ میں خشوع کس طرح کا پیدا ہوا اس کو ادا کرنے کے لئے مجھے اردو کا لفظ نہیں ملتا، لیکن اتنی بات تو کہی جا سکتی ہے کہ انتہائی درجہ کا تاثر اور اعلیٰ درجہ کا خشوع ہوتا ہے، وہ ٹکڑے ٹکڑے، ریزہ ریزہ ہو جاتا، قرآن مجید نے اس کی مثال اس لئے دی ہے کہ ہم سب اس سے بخوبی واقف ہیں کہ لوہا آگ پر رکھا جائے تو پگھل جاتا ہے مگر پتھر رکھا جائے تو نہیں پگھلتا ہے۔ اسی لئے پہاڑ، پتھر کے متعلق فرمایا کہ اگر اس پر قرآن مجید نازل کیا جاتا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ ہو جاتا، اور اس کا علانیہ ظہور ہوتا اور دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے،

اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو قرآن مجید کی صحیح عظمت کا احساس نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بڑی نعمت عطا فرمائی ہے اور یہ اس امت کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہم اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مختلف سورتوں میں مذکور ہے اور جب آپ مدین سے واپس ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغمبری کے لئے منتخب فرما لیا تھا تو انھیں دور سے ایک نور نظر آیا، ایک روشنی نظر آئی اور اسی وقت انھیں آگ کی سخت ضرورت تھی، تو وہ اس خیال سے کہ کچھ لوگ آگ روشن کر رہے ہیں وہاں جا کر حاصل کر لوں، اور موسم سرد تھا، اس بنا پر وہ آگ سمجھتے ہوئے اس جانب بڑھے، حقیقتاً وہ آگ نہ تھی، وہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کا ایک نور تھا بہر حال انھوں نے اس درخت سے یہ آواز سنی" انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری"۔

اس وقت لوگوں کی جو زبان رہی ہو قرآن مجید نے اس کو اسی زبان میں ادا کیا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، آپ اس مقام پر غور کریں کہ اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ شجرہ موسوی، موسیٰ علیہ السلام نے جس درخت سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا اس کا کوئی سوکھا ہوا پتہ فلاں جگہ موجود ہے تو میرا بھی جی چاہے گا اور آپ کا بھی جی چاہے کہ اس کی زیارت کریں۔ اس درخت کو یہ شرف نصیب ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام جاری ہوا۔ اللہ مجھے اور آپ کو شجرۂ موسوی کی خصوصیت نصیب فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو یہ موقع دیا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اسکا کلام پڑھیں اور مجدد الف ثانی نے اپنے بعض مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا کلام نماز کی حالت میں پڑھتا ہے تو اس کا حال شجرہ موسوی کا سا ہوتا ہے پھر تعفارو دلیٰ کہیے کہ قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب محفوظ نہ رہی اور قرآن مجید محفوظ ہے اور اس بات کی صراحت خود قرآن مجید ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون، اور جہاں توراۃ وغیرہ کا ذکر ہے وہاں فرمایا گیا کہ حفاظت کی ذمہ داری توراۃ پر نہ تھی بلکہ حاملین توراۃ کو اس کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ذمہ داری لی ہے فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ (ہم نے اس قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ تحفیظ قرآن کا سلسلہ منجانب اللہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت دی ہے، بندہ کو توفیق ملتی ہے کہ وہ قرآن مجید حفظ کرتا ہے اور اپنے بچوں کو حفظ کراتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس مقصد میں کامیابی فرمائے۔

ایک چیز اس سلسلہ میں اور عرض کر دوں، علم دین بہت بڑی چیز ہے ہمارا زمانہ اس طرح کا ہے کہ اپنے بچوں کو علم دین پڑھائیں، ندوہ میں پڑھائیں، دار العلوم دیوبند میں پڑھائیں، مدرسہ مظاہر العلوم میں پڑھائیں تو اس میں دنیا کے حصول کی پوری گنجائش ہے۔ میں نے کچھ علوم دنیا نہیں پڑھے بلکہ جو کچھ مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے وہی پڑھا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس علم دین کی برکت سے مجھے وہ زندگی نصیب فرما دی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ میں ضلع مجسٹریٹ ہوتا یا کوئی بڑا سرکاری عہدیدار ہوتا تو میری زندگی اس طرح کی نہ ہوتی جتنی اللہ نے اس کے طفیل میں نصیب فرمائی ہے۔

میرے نزدیک حفظ قرآن میں دنیا کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جو شخص اپنے بچہ کو قرآن مجید حفظ کراتا ہے اور ننھے منے چھوٹی عمر کے بچوں پر قرآن مجید کا بوجھ ڈال دے گا، ان کو جو محنت جوانی میں کرنی چاہئے بچے کو چھوٹی عمر میں کرنی پڑتی ہے، برسوں، دن کی محنت، رات کی محنت اور اب ساری عمر اس سے چھٹی نہیں ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو چھٹی مل سکتی ہے لیکن حافظ قرآن کو چھٹی نہیں مل سکتی ہے، اسے قرآن یاد رکھنا ہے اور عمر بھر یاد رکھنا ہے اور حفظ کی بنیاد پر کوئی مناسب نوکری مل جائے تو اس کی گنجائش نہیں تو یہ بات بالکل یقین ہے کہ

جمعیۃ الاصلاح

قاعۃ المحاضرات

جو اللہ کا بندہ اپنے بچے کو حفظ کراتا ہے اور جو بچے حفظ کرتے ہیں مجھے ان کے اخلاص میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ میں نے اس مسجد میں مولانا سید سلیمان ندوی سے سنا تھا کہ انھوں نے فرمایا۔ کہ جصاص نے احکام القرآن میں سورۂ آل عمران جہاں امرأۃ عمران کا ذکر آتا ہے" ... رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررًا انک انت السمیع العلیم"۔ (اے اللہ! مجھے تو جو بچہ دینے والا ہے اسے میں نے تیرے لئے وقف کر دیا۔ محرر، وقف کر دیا، بنی اسرائیل کی شریعت میں ایک اصول یہ تھا کہ وقف لڑکوں کے ساتھ خاص تھا اور لڑکیوں کے لئے نہیں تھا، وہ لوگ لڑکوں کو وقف فی سبیل اللہ کر دیا کرتے تھے۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ اب وہ دنیا نہیں کمائیں گے، بیت المقدس کی خدمت کریں گے۔ ذکر اور عبادت میں مشغول رہیں گے اس کو قرآن نے محرر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ غالباً امرأۃ عمران کو یہ امید تھی کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ قبول کرے۔ انی وضعتہا انثیٰ واللہ یعلم بما وضعت۔ اے اللہ یہ تو بچی پیدا ہوئی اور تو جانتا ہے کہ کیا ہوا، بہر حال پھر اس کے بعد یہ بات بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کو قبول کر لیا اور اب یہ محرر ہے۔

جصاص نے اس موقعہ پر جب کہ ہماری شریعت میں اس طور پر نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے بچہ کے متعلق یہ کہے کہ اسے علم دین کے لئے وقف کر دیا، تاکہ وہ علم دین حاصل کرے، چونکہ اس امت میں اعتدال ہے رہبانیت نہیں ہے اس کے ساتھ دنیا بھی مل سکتی ہے اور یہ چیز سب سے زیادہ حفظ قرآن میں ہے۔

مبارک معلوم ہوا کہ تحفیظ قرآن کے لئے ایک خاص عمارت کی تعمیر کا آغاز کیا جا رہا ہے اور ہم لوگوں کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ موجودہ عمارتوں کے علاوہ ایک عمارت بنائیں۔ جب یہاں ۲۶ سال قبل حفظ قرآن کا مستقل طور پر درجہ کھولا گیا تو اس وقت ایک صاحب نے ایک خطیر رقم کے متعلق مجھ سے مشورہ کیا تھا میں نے ندوہ ہی کے تین مصارف بتائے تھے ان میں دو تو یاد ہیں۔ ایک تو دار الطلبہ کے لئے کہا تھا اور دوسرا حفظ قرآن کے لئے مستقل عمارت کی تعمیر کے لئے کہا تھا، انھوں نے دوسرے مشورہ کو مانا اور رقم میرے ذریعہ اس مد میں آگئی اور وہ اس مد میں سب سے پہلا روپیہ تھا، میں اس کے متعلق بار بار تقاضا کرتا رہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ تحفیظ القرآن دار العلوم کے شایان شان ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

آخر میں مولانا نے خیر و برکت کی دعا کی، اور پیرانہ سالی کے باوجود بنیاد کی کھدائی میں حصہ لیا اور مولانا کے نقش پر اساتذۂ کرام نے اس کام میں حصہ لیا۔

النادی العربی کا انتخاب:

النادی العربی جو طلبہ میں عربی میں تقریر و تحریر کا ذوق پیدا کرتی ہے اور ان کو ایسے مواقع فراہم کرتی ہے کہ وہ بے جھجک تقریر کر سکیں، اپنے مقالات پیش کر سکیں، اور مخاطب سے مناقشہ کر سکیں، اسکا انتخاب دار العلوم کے نئے تعلیمی سال کے لئے النادی العربی کے صدر جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی کی موجودگی مکمل ہو گیا ہے اور اس سے ملحق شعبوں کے سکریٹری مقرر کر دئے گئے ہیں اور طلبہ کی اس تنظیم نے اپنا افتتاحی جلسہ ۱۰/۱۱/۱۴۰۱ھ کو جناب مولانا سعید الرحمن صاحب ندوی کی صدارت میں کیا اور حسب ذیل شعبہ جات کے ذیل سکریٹری مقرر کئے، اس تنظیم کے صدر جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی ہیں، اور نائب صدر جناب مولانا سعید الاعظمی الندوی ــ اور جناب مولانا واضح رشید الندوی ہیں۔

مجلس عاملہ کے حسب ذیل عہدیدار ہیں:۔

۱۔ امام الہدیٰ	جنرل سکریٹری
۲۔ حشمت اللہ	سکریٹری خطابت
۳۔ ضیاء الرحیم	" ثقافت
۴۔ رضی الاسلام	نائب سکریٹری
۵۔ محمد خالد	سکریٹری صحافت
۶۔ محمد اکبر شریف	" مکتبۃ الرائد
۷۔ خورشید انور، سکریٹری فضیلت دوم و تخصص ادب دوم	
۸۔ بہار الدین	رکن خصوصی

جمعیۃ الاصلاح کا انتخاب:

جمعیۃ الاصلاح جس کا پورا نظم و نسق طلبہ کے ہاتھ میں رہتا ہے، اس کے منتخب اراکین نے مولانا ابو العرفان خاں ندوی مربی الاصلاح کی موجودگی میں محمد طاہر کو نائب صدر، خطیب عالم کو ناظم منتخب کیا ہے۔ انھوں نے منتخب اراکین میں سے الاصلاح کے شعبہ جات کے معتمد مقرر کر دئے ہیں اور شعبے کھل گئے ہیں اور ان سے طلبہ استفادہ کرنے لگے ہیں الاصلاح کے منتخب اراکین ذیل میں ہیں:۔

عزیز الرحمن، محمد صابر، آفتاب عالم، عبد المبین، وزیر احمد، ضیاء الدین، نصر احمد، محمد شاکر، وکیل احمد، سید عنایت اللہ، غضنفر الحق، اسد اللہ، محمد مبین الدین، انوار عالم، عبد السمیع۔

ارکان عمومی:

بہاء الدین، محمد طاہر، خطیب عالم، نیاز احمد، ضیاء الدین اعظمی، وزیر احمد، محمد بشیر الدین، وکیل احمد، شہاب الدین، نثار احمد اعظمی، سید عنایت اللہ، محمد ایوب کشمیری، مختار احمد، اقبال احمد، بدر احمد منصور، ثناء اللہ، عبد السمیع صدیقی، محمد علی رجب درانی، عبد العزیز النائجیری، محمد نذر المبین، عبد القدوس، عبد المنان، نفیس احمد۔